اسلام
اور
مسیحیت
میں

عبدالقادی

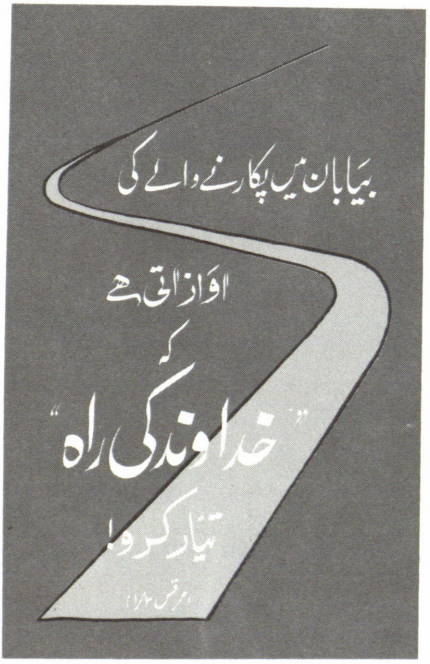
بیابان میں پکارنے والے کی
آواز آتی ہے
کہ
"خداوند کی راہ"
تیار کرو
(مرقس ۱:۳)

اسلام

اور

مسیحیت

میں

گناہ و کفارہ

عبدالقادی

(جُملہ حقوق محفوظ ہیں)

Order Number: **RPB4401URD**

English title: **Sünde und Sühne im Islam und Christentum**
German title: **Sin and Atonement in Islam and Christianity**

The Good Way • P. O. Box 66 • CH-8486-Rikon • Switzerland

Internet: **www.the-good-way.com**
E-mail: **info@the-good-way.com**

اسلام اور مسیحیت میں گناہ و کفارہ

قرآن شریف میں بہت سے الفاظ ملتے ہیں جن سے گناہ اور خطاؤں کی تعبیر ہوتی ہے۔ مثلاً

الذنب، الفحشاء، الوزر، الضلال، الکفر، الظلم، الاثم، الفجور
الخطیئہ، الشر، السیئہ، السوء، الفساد، الفسق
البہتان، العصیان وغیرہ

۱۔ الذنب :

جرم، بدکاری وغیرہ کے مطلب میں ۳۹ آیات قرآنیہ میں یہ لفظ الذنب استعمال ہوا ہے۔ اس موضوع و مفہوم میں سب سے زیادہ اہم اور اسکے خیال و معنی کا ترجمانی کرنے والی آیت ہے۔ سورہ الفتح ۴۸ کی پہلی اور دوسری آیات :

لیغفرلك الله ما تقدم من ذنبك وما تاخر ....

یعنی: "اے محمدؐ ہم نے تجھ کو فتح دی، فتح بھی کیسی، بالکل صریح اور صاف صاف تاکہ خدا تیرے اگلے اور پچھلے گناہ بخش دے اور تجھ پر اپنی نعمت پوری کرے اور سیدھے راستے پر چلائے۔"

۲۔ الفحشاء :

یہ لفظ بھی برے کام، جرم اور زنا کے مطلب میں آتا ہے خصوصاً حرام کاری کے

مثلاً سورۂ انعام ۶ کی آیت ۱۵۱ :

"وَلَا تَقۡرَبُوا الۡفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنۡهَا وَمَا بَطَنَ"

" اور بے حیائی وحرام کاری خواہ علانیہ ہو یا ڈھکی چھپی اسکے پاس بھی مت پھٹکنا۔"

۲- الوزر:

الوزر اس گناہ کے جرم میں آتا ہے جو انسان پر بوجھ بن جاتا ہے مثلاً سورۂ الانشراح ۹۴ آیت ۲ میں یوں آیا ہے :

"اے محمدؐ! کیا ہم نے تیرا سینہ نہیں کھول دیا ہے اور تجھ پر سے اس بوجھ کو بھی اُتار دیا ہے جس نے تیری پیٹھ توڑ کر رکھ دی تھی۔"

امام فخرالدین رازی نے اپنی تفسیر میں یوں لکھا ہے :

"حضرت جبرئیل محمدؐ کے پاس آئے اور ان کے سینہ کو چاک کر کے دل کو باہر نکالا اور اسکو دھویا اور تمام معاصی (گناہ و نافرمانیاں) سے اسے پاک وصاف کیا اور اس میں ایمان وعلم بھر دیا ــــــ"

ابن ہشام نے محمد بن اسحاق سے یہ روایت کی ہے کہ ــــــ محمدؐ کے ساتھیوں میں سے کچھ نے یہ سوال کیا کہ اے جناب اپنے نفس کے بارے میں بھی کچھ فرمائیے، تب آپ نے کہا کہ مجھے دودھ پلانے کے لیے بنو سعد میں رکھا گیا تھا۔ ایکبار کا ذکر ہے کہ جب میں اپنے دودھ بھائی کیساتھ محلہ کے پچھلے حصہ میں تھا اور ہم دونوں بکریاں چرا رہے تھے کہ ناگہاں دو مرد سفید پوش میرے پاس آئے، ان کے ہاتھ میں سونے کا ایک طشت تھا جس میں برف رکھا ہوا تھا۔ انھوں نے مجھے پکڑ لیا اور میرے شکم کو چیرا اور میرے دل کو باہر نکالا اور اسکے دو ٹکڑے کر دیئے پھر اس میں سے

سیاہ خون کا ایک لوتھڑا نکال کر پھینک دیا۔ بعدہٗ میرا دل اور شکم دھوئے گئے اسی برف کے پانی سے جو طشت میں تھا پھر اُن دو مردوں میں سے ایک نے کہا اسکی اُمت کے دس آدمیوں کے برابر تولو، تو دوسرے نے تول دیا تو میں کیا دیکھتا ہوں کہ میں ہی بھاری ہوں۔ تب سو کے بدلے تولا گیا تو بھی میں بھاری نکلا، پھر ہزار سے بھی تولا گیا اور بھاری رہا تب وہ باہم فیصلہ کر کے کہنے لگے کہ رہنے بھی دو نہ تولو! کیونکہ قسم ہے ذات باری کی اگر محمدؐ کو ساری اُمت کے مقابلہ میں بھی تولا گیا تو وہی بھاری رہیں گے۔"

۴۔ الضلال :

بمعنی گمراہی اور بھٹک جانا۔ سُورۂ والضحیٰ ۹۳، آیات ۶۔ ۸ یہ بتاتی ہے :

"اور خدا نے تجھکو (اے محمدؐ) بے راہ پایا تو تجھے راہ دکھائی!"

الکلبی نے اس لفظ کی تفسیر کفر سے کی ہے۔

۵۔ الکفر :

لفظ کفر بڑا عام ہے، اس کا مطلب ہے چھپانا اور تاریکی، لیکن عموماً یہ الحاد اور لاخدا پرستی یا زندگی میں اللہ کی جگہ نہ ہونا وغیرہ جیسے مطلب میں آتا ہے۔ قرآن مجید میں ایمانداروں سے خطاب کرتے ہوئے کہا گیا ہے :

"اللہ نے تمہارے لئے لاخدا پرستی فسق اور عصیاں (سرکشی) کو بڑی ناپسندیدہ ٹھہرایا ہے۔"

علامہ زمخشری نے اس کی تفسیر کرتے ہوئے یوں لکھا ہے :

یہاں تین باتیں ہیں

۱۔ خدا کا انکار کرنا کفر ہونا۔

۲۔ فسوق کذب و دروغ۔

۳۔ اور عصیاں تمرد اور سرکشی و نافرمانی ہے۔ سورۃ الحجرات آیت ۷۔

۶۔ الفسق :

سورۃ البقرہ، آیت ۹۹ یوں ہے :

"بیشک ہم نے تیری طرف نہایت واضح قسم کی آیتیں نازل کردی ہیں جنھیں سوائے مرد فاسق اور بدچلن کے اور کوئی نہیں جھٹلاتا۔"

مفسروں نے لکھ دیا ہے کہ الفسق خروج الانسان عما حدلہ اللہ وقالوان کل فاسق کافر۔ یعنی فسق کا مطلب ہے انسان کا اس حد سے باہر نکل جانا جو اللہ نے مقرر کردی ہے۔ علماء کا کہنا یہ بھی ہے کہ ہر فاسق کافر ہوتا ہے۔

۷۔ الظالم :

سورۃ الشعراء آیت ۱۰ میں حضرت موسیٰ کی مصریوں کی طرف رسالت کا ذکر آیا ہے اور فرعون و فرعونیوں کو القوم الظالمون کہا گیا ہے۔

۸۔ الآثم :

جرم، گناہ، بدکرداری، انعام آیت ۱۲۱ :

"ظاہری اور باطنی اور پوشیدہ ہر طرح کے گناہ ترک کردو اور جو لوگ کسب گناہ کرتے ہیں وہ جلد ہی اپنے کردار کی سزا پائیں گے۔"

۹۔ الفجور :

فاجروں کی جگہ جحیم جہنم ہے جہاں وہ انصاف کے دن جلائے جائیں گے اور دوزخ سے

دُور نہ کیا جائے گا۔ یہ بات سورہ الانفطار آیت ۱۴ میں ظاہر کی گئی ہے۔

۱۰۔ الخطیئہ :

جیسا کہ قرآن میں آیا ہے :

"جو شخص بدکاری، بدعملی یا گناہ کا ارتکاب کرکے اس کا الزام کسی بے قصور کے ذمہ لگا دیتا ہے اس نے بہتان کا بوجھ اٹھا لیا اور ایک بڑے سے گناہ کا بھی حامل ہوا۔"

سورہ نساء آیت ۱۱۲، اس آیت میں خطیئہ کے لیے تین اسماء آئے ہیں۔ الخطیئۃ، الاثم اور البھتان جن کی تمیز امام رازی نے اس طرح کی ہے :

۱۔ خطا گناہ صغیرہ ہے اور الاثم گناہ کبیرہ ہے۔

۲۔ دوسرا مطلب اس لفظ کا یہ ہے کہ اس کا کرنے والا مرتکب بطور خود متاثر ہوتا ہے لیکن الاثم وہ گناہ ہے جو دوسروں کو متاثر کرتا ہے اور لپیٹ میں لے لیتا ہے۔ جیسے ناانصافی ظلم، وقتل۔

۳۔ یہ بھی اس کا مطلب ہوتا ہے کہ خطیئہ ایک ایسا فعل ہے جسے کسی طرح بھی سرزد نہ ہونا چاہیئے نہ انجانے میں نہ جان بوجھ کر لیکن الاثم وہ گناہ ہے جو قصداً اور عمداً کیا جائے۔ البھتان ایک ایسا فعل ہے کہ کسی بے قصور پر کسی ایسی بات کا الزام رکھ دیا جائے جو بڑی بری بات ہے اور جو اس بیچارے کو لوگوں کی بدظنی کا نشانہ بنا کر رکھ دیتی ہے بہتان تراش کیلئے

دنیا میں پھٹکار اور آخرت میں عذاب شدید کا مستحق کہا گیا ہے۔

۱۱۔ الشر:

جس شخص نے ذرّہ بھر بھی بُرائی کی ہے وہ اسے دیکھے گا "یعنی ہر بُرائی سامنے آئے گی"

سورۂ الزلزال کی آیت ۸ نے اس امر سے آگاہ کیا ہے۔

ابو جعفر الطبری مفسر نے عبداللہ بن عمرو ابن العاص سے روایت کرتے ہوئے فرمایا:

"جب یہ سورہ نازل ہوئی تو حضرت ابوبکر بھی تشریف رکھتے تھے
اس آیت کو سُنکر رُو پڑے"

رسول اللہ صلعم نے پوچھا کہ اے ابوبکر کس بات نے تمہیں آمادہ بگریہ کیا؟:

"بولے اس سورہ نے"

تب رسول اللہ صلعم نے کہا:

"اگر تم لوگ گناہ اور خطایئں نہ کرتے (تخطئون وتذنبون)
کہ اللہ ان کو معاف کردے تو وہ ایک ایسی اُمت کو پیدا کرتا
جو خطایئں بھی کرتی اور گناہ بھی اور اللہ تعالیٰ انکی مغفرت کردیتا"

۱۲۔ السیئہ: (سورۂ النمل آیت ۹۰):

"جو بدیاں لیکر حاضر ہوں گے ان کے چہرے آگ میں اوندھا
دیئے جایئں گے"

حضرت ابن عباس نے اس آیت کے تحت کہا ہے کہ:

"اس آیت کا نزول تو مسلمانوں پر بہت شاق گذرا، اور وہ جناب
محمدؐ سے بولے کہ ہم میں ایسا کون ہے جو سیئہ (بدیاں) کا مرتکب

نہیں ہوا ہے، پھر فرمائیے کہ جزا اور بدلہ کا کیا عالم ہوگا؟ آپ نے فرمایا
اللہ نے اطاعت کے بدلے دس حسنہ (نیکیاں) مقرر کردی ہیں،
اور سرکشی (معصیت) پر صرف ایک ہی سزا۔ تو اب جسے ایک بُرائی کا
بدلہ ملا تو دس نیکیوں میں سے صرف ایک ہی تو کم ہوگی پھر بھی تو بچی رہنگی۔"

۱۳۔ السُّوٓء (بدی)

"جو ایک بھی برائی یا بدی کرے گا اُس کو اس کا بدلہ دیا جائے گا
اور سوائے اللہ کے الیسوں کا کوئی یار و مددگار نہیں"۔ (سورہ نساء ۱۲۳)

۱۴۔ اب رہا الفَسَاد (مثلاً البقرہ ۲۰۵)

"(جب تیری طرف سے اے محمدؐ) منافق لوگ اپنا رُخ پھیر لیں اور
بے رُخی اس طور پر کرنے لگیں کہ گویا دنیا کو بگاڑ دینگے اور ساری کھیتی
اور نسل کو تباہ کرکے رکھدینگے (تو انھیں معلوم ہونا چاہئیے) اللہ تخریب
اور بگاڑ و فساد کو بالکل محبوب نہیں رکھتا"۔

۱۵۔ البُہتان۔

اس لفظ کے بارے میں کچھ توضیح تو اوپر گذر چکی ہے لیکن سُورہ النّور کی سولہویں آیت بھی اس پر روشنی ڈالتی ہے:

"ہماری بھلا کیا مجال ہے کہ اس بارے میں زبان کھول سکیں، اے
خدا تیری ہی تقدیس ہو اور تو پاک مانا جائے، یہ تو ہم پر ایک بڑا الزام
و بہتان ہے"۔

۱۶۔ العِصیان۔

گناہ کی تفسیر اور تشریح میں مدد دینے والے اور بھی الفاظ قرآن شریف میں ملتے ہیں ان کی تلاش ہم

آپ پر چھوڑتے ہیں، یہ چند الفاظ گناہ کی سنجیدگی اور سختی کو سمجھنے میں کافی مدد دینگے لیکن گناہ پر بحث کو ختم کرنے سے پہلے ضروری یہ ہے کہ ہم گناہ کی جڑ کو جانیں اور یہ کہ وہ کس طرح وجود میں آیا۔؟ قرآن شریف نے بھی اس امر پر بہت کچھ روشنی ڈالی ہے اور کتابِ مقدس (بائبل) نے بھی خاص طور سے وہ مواقع جو حضرات آدم و حوا سے متعلق ہیں وہ اس بات کی بڑے صریح طور پر نشاندہی کرتے ہیں کہ یہ نافرمانی (معصیت) ہی تھی جس نے نہ صرف ان دونوں کو بلکہ ان کی ذریت کو بھی پستی اور ہبوط کی طرف ڈھکیلا تھا۔ بہت سی قرآنی آیات میں سے ہم چند آسان مثال کے طور پر یہاں لئے لیتے ہیں، سورۂ بقرہ کی مثلاً ۳۵ تا ۳۶ آیات جو اس طرح شروع ہوتی ہیں:

"وقلنا یاآدم اسکن انت وزوجك الجنّة

(یعنی" ہم (خدا) نے کہا اے آدم تو اور تیری بیوی بڑے شوق سے جنت میں رہ اور جہاں جہاں چاہے بے روک ٹوک جا سکتا ہے (تجھے نقل و حرکت کی پوری آزادی ہے) اور جو جو چیز کھانا چاہے خوب جی بھر کر کھا سکتا ہے لیکن تم دونوں کو اس بات سے خبردار کیا جاتا ہے کہ اُس درخت کے پاس مت پھٹکنا (چہ جائیکہ کھالینا) ورنہ تم دونوں ظالموں میں شمار کیے جاؤ گے۔ پھر ہُوا یہ کہ شیطان (اُن پر غالب آگیا) اور اُن دونوں کو پھسلا کر نیچے گرا دیا اور عیش و مسرت میں اُن کی زندگی گذر رہی تھی اس سے ان کو نکلوا کر محرُوم کر دیا۔ تب (ہم اللہ) نے اُن سے کہا چلو نکلو اور جنت سے چلے جاؤ (اھبطوا بعضکم لبعض عدو) اب سے تم ایک دوسرے کے دشمن بنے رہوگے اور تمہارا ٹھکانہ اب سے ایک مقرر وقت کیلئے ارض (زمین) کر دیا گیا ہے وہیں تم کو سب مال و متاع (زندگی گذارنے کے سارے اسباب) مہیا رہیں گے۔"

مسلم علماء دین اب تک یہ فیصلہ نہیں کر پائے ہیں کہ آدم و حوّا اس ہبوط و سقوط سے پہلے کس مقام میں رہتے تھے، ان کی اس بارے میں طرح طرح کی رائیں ہیں مثلاً ابوالقاسم بلخی اور ابومسلم اصفہانی کی رائے ہے کہ وہ جنّت تھی اور اسی زمین پر تھی، انھوں نے اھبطوا کی تفسیر ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونا کی تھی اور اس خیال کی نظیر انھیں ایک آیت اور اھبطوا مصرًا میں ملتی ہے۔ اور امام جبائی کا کہنا یہ ہے کہ وہ جنّت آسمان ہفتم پر تھی۔

یاد رہے کہ کتاب مقدس (بائبل) اور قرآن شریف میں اس بات پر اتفاق ہے کہ عصیاں آدم اور سرکشی ان دونوں کی اس درخت سے کھانا ہی تھا جو وسط باغ میں لگا ہوا تھا۔ ہاں علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ اس درخت کی نوعیت کیا تھی، اب اس نوعیت پر جب علماء نے بحث کی تو ہمیں یہی نظر آیا کہ سب کے سب اپنی اپنی باتوں کے لیے بنیاد و سند رکھتے ہیں مثلاً ابن اسحاق نے بسلسلہ ابن عباس یہ روایت کی ہے کہ اللہ نے جس درخت سے آدم و حوّا کو روکا تھا وہ سنبلہ یا خوشہ تھا۔ ابن حمید نے بسلسلہ وہب ابن منبہ نے یہ کہا کہ وہ گیہوں کا درخت تھا جس کی بالوں کا ایک ایک دانہ گائے کے گردہ کے برابر تھا جو مکھن سے زیادہ نرم اور شہد سے زیادہ میٹھا تھا۔ ابوبکر صدیق نے بھی رسول اللہ سے اس بارے میں ایک بار پوچھا تھا تو انہیں یہ بتایا گیا کہ وہ شجر مبارک سنبلہ تھا۔ سلمہ والی روایت میں یہ بتایا گیا ہے کہ یہ وہ درخت تھا جس سے فرشتے خود کو رگڑتے رہتے ہیں اور اسی کی بدولت زندہ جاوید بنے ہوئے ہیں۔ ابن وقیع نے حضرت ابن عباس کا وہ قول پیش کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ انگور کا درخت تھا۔

حضرات مجاہد اور قتادہ نے اسے انجیر کا درخت بتایا ہے اور ربیع نے اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ وہ ایک درخت تھا جس کا پھل کھانے سے پاخانہ کی حاجت ہوتی تھی اور جنت میں گندگی کی کوئی گنجائش نہیں! غرض کہ جتنے منہ

اتنی بات ہیں، کوئی حتمی بات نہیں معلوم ہوتی۔

ایک بات اور ہے جو اصولی طور پر قرآن اور کتابِ مقدس کے سفر تکوین سے میل کھاتی ہے کہ آدم وحوا نے اللہ کے کہے ہوئے حکم کو توڑنے میں جو قدم اٹھایا تھا وہ شیطان کے اکسانے پر ہی اٹھا تھا۔ کیونکہ آیت میں "ازلھما الشیطان" آیا ہے اور ابن جریح نے اس جملہ کی تفسیر جو حضرت ابن عباس کی زبانی سُنکر کی ہے وہ ہے "انہ اغواھما" یعنی شیطان نے ان کو بہکایا تھا۔ لیکن قرآن کی آیت فعصیٰ آدم ربہ فغویٰ ظاہر کرتی ہے کہ شیطان بیشک ایک محرک بنا تھا لیکن بہک جانے کا سبب تھا اپنے خداوند وآقا یعنی اللہ کے حکم کی نافرمانی۔ یہ دونوں باتیں ہر دو کتب یعنی قرآن و بائبل میں ملتی جلتی ہیں۔

قرآن کی تعلیم کے لحاظ سے تو حضرت آدم بھی ایک نبی تھے اور انجیل شریف (لوقا ۱:۰۷) میں لکھا ہے کہ انبیاء دنیا کے شروع سے ہوتے آئے ہیں لیکن اس بات میں دونوں کے مذاہب کا اختلاف ہے کہ آیا انبیاء معصوم عن الخطار ہوتے ہیں یا نہیں۔ ویسے تو مسلم علماء میں بھی ایسے ہیں جو انبیاء کو معصوم نہیں مانتے لیکن عام اسلامی تعلیم کے حساب سے تو نبی معصوم ہوا کرتا ہے ایسے لوگوں کو اس حادثہ ہبوط آدم و حوا کی تاویل میں مشکل پیش آتی ہے۔ مفسّروں نے اس مشکل سے نکلنے کی ایک کوشش کی ہے اور کہا ہے کہ جس وقت ان سے یہ لغزش ہوئی تھی اس وقت وہ نبی نہیں تھے۔ بعد میں نبی بنائے گئے لیکن اس رائے کو اجماع حاصل نہیں۔ پھر مفسّروں کی ایک جماعت نے یہ مانا کہ آدم تھے تو شروع ہی سے نبی، لیکن ان کی لغزش نتیجہ تھی ان کے نسیان اور بھول کا کیونکہ وہ ناسی تھے یعنی نسیان بھول چوک کا بتلا تھے۔

ان لوگوں نے آدم کی مثال اس روزہ دار سے دی جو بوجہ کثرتِ مشاغل کے بے خیالی میں کچھ کھا پی لے، سہوًا و نسیان کی وجہ سے نہ کہ عمدًا و قصدًا۔

پھر ایک روایت یہ بھی ہے کہ حوّا نے آدم کو خمر (شراب) پلائی تھی اور اُن پر کچھ نشہ غالب آیا کہ اس ممنوع درخت کے پھل سے کچھ کھالیا چنانچہ یہ غلطی نشہ کے زور میں سرزد ہوئی تھی، جان بوجھ کر نہیں!

لیکن قابلِ غور بات یہ ہے کہ اگلی آیت میں لفظ "تَابَ عَلَیْهِ" آیا ہے، اور توبہ کسی بات کی اس پر دلالت کرتی ہے کہ خطا جان کر بالارادہ ہوئی تھی، اسی وجہ سے مقدس کتاب کے مطابق آدم نے اس کی ذمہ داری حوّا پر ڈالی کہ اس عورت نے مجھے اس کے کھانے پر اُکسایا تھا۔

یہ روایت اس بیان سے میل کھاتی ہے جو کہ بہت سے عالموں کی آراء کی بنیاد پر ہے جس کو امام طبری نے ابن زید کے سلسلہ سے مروی کیا ہے کہ اللہ نے فتلقی آدم کے تحت یہ آیت یا دعا سکھائی:

رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا
وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخَاسِرِیْنَ ۝

اس آیت میں اُن کے نفس پر ظلم کرنے کا اقرار ملتا ہے۔ فتلقی والی آیت کی تفسیر کے تحت موسیٰ ابن ہارون نے سدّی کے سلسلے سے یہ روایت کی ہے کہ حضرت آدم نے اللہ سے اپنے کیے پر ایک طرح کی حجت کی تھی اور بطور احتجاج کہا تھا

"خداوند کیا تو نے ہی مجھے اپنے ہاتھوں سے نہیں بنایا تھا؟ جواب ملا کہ ہاں ہاں! تب آدم بولے کہ تو نے اپنی

رُوح بھی مجھ میں پھونکی تھی؟ فرمایا کہ ہاں! آدمؑ نے
پُوچھا کہ خداوندا کیا تیرے غضب پر تیری رحمت سبقت
نہیں کرتی؟ اللہ نے جواب دیا کہ ہاں ہاں کیوں نہیں؛
تب آدمؑ بول اٹھے کہ کیا تونے ہی میرے مقدر میں یہ لغزش
نہیں لکھ دیا تھا؟ اس کا جواب بھی اثبات میں ملا۔ آدمؑ
نے منّت کی کہ اے میرے مالک اگر میں نادم و پشیمان ہوؤں
اور اپنے کو سُدھاروں تو کیا تو مجھے پھر سے جنت میں
واپس آنے دے گا؟ کہا گیا کہ ضرور ضرور! اسی کی
طرف اشارہ ہے آیت کریمہ میں "ثم اجتباہ
ربّہ فتاب علیہ وھدیٰ" یعنی تب آدمؑ کے
رب و آقا نے اس کو چُن لیا اسکی طرف رُخ کیا اور اسے راہ دکھائی۔

دوسری روایت میں ابن بشار نے کہا ہے کہ (راوی) ابن رفیع نے عبید ابن عمیر
کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ:

"آدمؑ نے عرض کیا کہ اے میرے پروردگار اور میرے
مالک یہ میرا گناہ (خطا) جس کا میں مرتکب ہو گیا ہوں
کیا تونے ہی پہلے سے میرے ذمہ نہیں ٹھہرا دیا تھا
میری تخلیق سے پہلے؟ یا یہ کیا وہ حرکت ہے جو میری
ایجاد کردہ ہے"؟

اللہ نے فرمایا:

"یہ تو تیری تخلیق سے پیشتر ہی میں نے تیرے لیے مقدر کردی تھی۔"

تب آدم نے کہا:

"اگر تو نے ہی مقدر کردیا تھا تو میری مغفرت کردے!"

راوی لکھتے ہیں کہ فتلقیٰ والی آیت تب ہی انھیں ملی تھی۔

کچھ بھی کہا یا لکھا جائے یہ ساری تشریحیں اس حقیقت کی انکاری نہیں کہ آدم نے ایک خطائے اختیاری کا ارتکاب کیا تھا۔ یہ وہ خیال ہے جسے فخر رازی کی بھی تائید حاصل ہے اُن کے الفاظ میں سُن لیجئے:

"وہ آیتیں جو بندوں کے افعال سے متعلق ہیں اور علمار نے جن کا تمسک کیا ہے بہت سی ہیں۔"

اس سلسلے کی آدم کا ایک قصہ ہے جس میں سات پہلو نکلتے ہیں:

۱۔ ایک یہ ہے جس میں کہ آدم عاصی (نافرمان) ہیں۔ اور نافرمان مرتکب گناہ کبیرہ ہوتا ہے دو طریقے سے ایک تو وہ کہ نص قرآنی کا مطالبہ اور تقاضا یہ ہوتا ہے کہ اسے سزا دی جائے کیونکہ یہ اللہ کا قول ہے کہ ومن یعصی اللہ ورسولہ فان لہ نار جہنم، اللہ و رسول کے عاصی (نافرمان) کے لیے آتش دوزخ ہے۔ دوسرا یہ کہ لفظ عاصی ذم کا پہلو لیے ہوئے ایک اسم ہے اسی لئے وہ سوائے مرتکب کبیرہ کے اور کسی کو نہیں دیا جاتا۔

۲۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ قرآن والی آدم کی کہانی میں آدم کو غاوی کہا گیا ہے "فغویٰ" کا لفظ آیا ہے اور غیّ عربی زبان میں رشد کا ضد ہے۔

۳۔ تیسرے یہ کہ آدمؑ تائب ہوئے اور تائب تو وہی ہوتا ہے جسنے گناہ (ذنب کیا ہو۔ ندامت کا شکار تائب ہی ہوتا ہے اپنے کیے پر۔ اب اگر یہ کہیں کہ آدمؑ اس اخبار و بیان میں جھوٹے ہیں تو ان پر جھوٹ کے گناہ کا الزام آیا، اگر اس بیان میں آدمؑ سچے ہیں تو جو بات ہمیں منوانی تھی وہ مان لی گئی۔

۴۔ اگر آدمؑ ایک منہی عنہ کے مرتکب ہوئے جیسا کہ قرآن بتاتا ہے "الم انھکما عن تلکما الشجرۃ ولا تقربا ھذہ الشجرۃ" اور کسی منع شدہ چیز کو کر ڈالنا خود ہی گناہ ہے۔

۵۔ فتکونا من الظالمین کے مطابق آدمؑ ظالم بنے کیوں کہ خود اقرار کیا کہ ربنا ظلمنا انفسنا (اے مالک ہم تو اپنے آپ پر ظلم کرنے والے ہوگئے) اب کوئی بھی ظالم شخص بقول الٰہی ملعون گنا جاتا ہے جیسا کہ فلعنۃ اللہ علی الظالمین ناطق ہے۔ تو مرتکب کبیرہ ہی تو مستحق لعنت ہوتا ہے۔

۶۔ آدمؑ نے اس بات کا اعتراف کیا تھا کہ اگر اللہ کی مغفرت انہیں میسّر نہ ہوگی تو وہ سراسر گھاٹے (خاسرین) میں رہیں گے۔ اس سے بھی ان کا صاحب کبیرہ ہونا ثابت ہو جاتا ہے۔

۷۔ بوجہ وسوسۂ شیطان وہ دونوں جنّت سے بھی نکال دیئے گئے تھے اور یہ بدلہ تھا اس بات کا انھوں نے (خدا کی بات پر) شیطان کی بات کی اتباع کی تھی۔ یہ بھی ان کے صاحب کبیرہ ہونے کی بات ہوئی۔ چنانچہ رازی کی ان ساتوں باتوں پر غور کرنا چاہیئے جو ثابت کرتی ہیں کہ آدمؑ گناہ کبیرہ کے مرتکب ہوئے تھے۔

اب رہی یہ بات کہ شیطان کس طرح جنّت میں گھُس گیا تھا اس پر بھی علماء میں قیل و قال اور اختلاف ہے۔ مثلاً قصاص نے ابنِ عباس کے سلسلہ سے یہ کہا ہے کہ:

"شیطان نے جب جنّت میں گھُس جانے کی ٹھانی تو داروغہ جنّت نے اسے روکا۔ تب وہ دوسرے سارے جانوروں کے پاس مدد کے لیے گیا کسی نے اسکو مدد دینا قبول نہ کیا۔ بالآخر جب سانپ کے پاس گیا جو ان دنوں چوپایوں میں سب سے عمدہ اور خوبصورت چوپایہ تھا۔ تو اس نے مدد کی درخواست قبول کرلی اور شیطان کو نگل گیا اور اس طرح چھُپا کر وہ جنّت میں داخل ہو گیا اور شیطان کو بھی وہاں پہنچا دیا۔ وہاں شیطان نے وسوسہ اور کانا پھوسی شروع کردی۔ اس میں شک نہیں کہ اس وجہ سے اسے سزا ملی اور لعنت کے زیر اسکے چاروں پاؤں جھڑ گئے اور پیٹ کے بل کھسکنے کی سزا ملی۔ اس کی خوراک مٹی بنا دی گئی اور فرزندانِ آدم کا دشمن بھی بنا دیا گیا۔"

طبری کی تفسیر جامع البیان میں حسن نے بسلسلہ ابن منبہؓ یہ لکھا ہے کہ:

"جب اللہ نے آدم اور اسکی ذریّت کو جنّت میں بسا دیا تو ان کو الشجرہ سے دُور رہنے کا حکم دیا، یہ الشجرۃ بہت سی پر پیچ ڈالیوں والا ایک درخت تھا جس کے پھل کھا کھا کر فرشتوں کو خلود حاصل تھا یعنی وہ امر بن گئے تھے، اسی درخت کے قریب نہ جانے کا حکم اللہ نے دیا تھا۔

جب ابلیس نے آدم و حوّا کو پھسلانا چاہا تو سانپ کے پیٹ میں گھُس گیا جو ساری چوپایوں میں سب سے خوبصورت ہوا کرتا تھا۔ جنّت میں داخل ہو جانے کے بعد اس نے اسی منع کئے ہوئے درخت کے پھل کو حوّا کے پاس لاکر کہنے لگا کہ دیکھ کسی قدر خوشبودار اور ذائقہ دار ہے

یہ کیا خوب اس کا رنگ و چمک ہے حوّا نے پھل لے لیا اور کھانے لگی اور آدم کے پاس بھی لے گئی اور کہنے لگی کہ دیکھو تو اسکی خوشبو رنگ اور مزہ کس قدر عمدہ ہیں۔ آدم نے بھی کھایا، پھر کیا تھا شرمگاہیں کھل گئیں اور ننگے پن کا احساس جاگ اُٹھا اور مارے شرم کے درخت کے تنوں میں خود کو چھپانے لگے۔

آدم کو اسکے رب (خدا) نے پکارا اے آدم تو کہاں ہے ؟

جواب ملا کہ میرے آقا میں یہاں ہوں۔

تو نکلتا کیوں نہیں ؟:

جواب آیا کہ آقا آپکے سامنے آتے ہوئے شرم دامنگیر ہے

اللہ نے فرمایا: وہ زمین جس سے تیری تخلیق ہوئی ہے ملعون ہوگئی اور ایک ایسی لعنت کے تحت آگئی ہے کہ پھل کانٹوں میں بدل جاتے ہیں! خدا نے یہ بھی بتایا کہ اس پھل کے مثل نہ سرزمین پر نہ جنّت میں کوئی اور پھل مزیدار ہے اور کہا کہ :

"اے حوّا تو نے میرے بندہ کو بہکایا ہے اسلئے تو حاملہ ہو کر درد سے بچہ جنے گی ایسا درد کہ موت کے مُنہ میں گویا پہونچ رہی ہے۔ سانپ کو بھی خدا نے یہ کہکر لعنت دی کہ تو وہ ہے جسکے پیٹ میں گھس کر ملعون اندر آیا تھا اور میرے بندہ کو فریب دیا اسلئے تو بھی لعنتی ہے تیری ٹانگیں تیرے پیٹ میں گھس جائیں گی، تیری خوراک مٹی رہے گی اور تو سدا خاک چاٹتا رہے گا۔ تو نبی آدم کا دشمن اور بنی آدم تیرے دشمن، جب کبھی تو ان کو پائے گا تو ایڑی پر ڈسے گا اور جب وہ تجھے پائیں گے تو تیرا سر کچلیں گے۔"

علما کی ایک جماعت نے یہ بھی کہا ہے کہ آدم و حوا باب الجنۃ سے گذر رہے تھے

کہ ابلیس جو کہ پھاٹک پر انتظار میں کھڑا تھا ان سے مل کر وسوسہ اندازی شروع کر دی تھی۔

خیر، بات کچھ بھی ہو! قرآن کی محولہ آیات و تفسیر کا قاطع فیصلہ یہی ہے کہ آدم گنہگار بن گئے تھے جیسا کہ سورۂ طٰہٰ آیات ۱۱۶-۱۲۱ بھی ہم زبانی کر رہی ہے وعصیٰ ادم ربہ فغویٰ میں غوایت کا لفظ آیا ہے۔ رازی اس پر رقمطراز ہیں کہ الغوایۃ کا مطلب ہے الضلالۃ یعنی گمراہی اور اس قسم کا گناہ سوائے ایسے فاسق شخص کے جو اپنے فجور و فسوق میں منہمک رہتا ہے، اور کسی کے لیے نہیں بولا جاتا۔

امام باہلی نے کہا ہے کہ آدم کا کیس بڑا عجیب و غریب ہے کیونکہ اللہ نے ان کے اندر اس خواہش و تمنا کو پروان چڑھنے دیا کہ ان کی زندگی ایک دوامی آرام اور جاوید زندگی ہو جیسا کہ آیت سے ظاہر ہوتا ہے، سورۂ طٰہٰ کی ۱۱۷ تا ۱۱۹ سے یہ ظاہر ہے یعنی:

"تم اس شیطان کو کبھی ایسا موقع نہ دینا کہ وہ تم دونوں
کو جنت ہی سے نکلوا دے اور تم مصائب کے شکار بن جاؤ۔
.... نیز یہ کہ جنت میں نہ پیاس ستاتی تھی نہ دھوپ
یعنی وہاں محنت مشقت نام کی کوئی چیز نہیں تھی ـــــ"

شیطان نے یہ بھی اُمنگ جواں رکھنے کی کوشش کی کہ سدا کے آرام سے لطف اندوز ہوتے رہیں جیسا کہ "شجرۃ الخلد وملك لا یبلیٰ" سے ظاہر ہے۔ یعنی ہمیشہ کے آرام اور زندگی کی تمنا خدا نے بھی پروان چڑھنے دی ایک شرط کے ساتھ کہ الشجرۃ کے قریب نہ جائے لیکن ابلیس نے اسکے خلاف یہ شرط لگائی الشجرۃ کے قریب جائے۔

اب آدم کی طرف نظر ڈالیے کہ وہ کمال عقل کا مالک ہوتے ہوئے اور یہ جانتے ہوئے کہ اس کا خدا ہر طرح سے اس کا مربی اور ناصر ہے اور اس نے شیطان

کو اس کا دشمن ہونا بھی جتا دیا ہے اور خوب خبردار کر دیا ہے، کس طرح اس نے شیطان کی ہاں میں ملائی، اور یہ جان بوجھ کر کہ وہ اس کا کھلا دشمن ہے اللہ کے قول سے روگردانی کی اور شیطان کی بات مان بیٹھا۔"

اب دیکھئے کہ ماجرا یہ ہے اور اس بات پر سارے مفسروں کا اتفاق و اجماع آرا ہے کہ عصیان ذنب (گناہ) ہے اور عاصی کہلانا ایک مذموم و ناپسندیدہ لقب ہے جس کا اطلاق صرف مرتکب کبیرہ پر ہی ہوا کرتا ہے اور کبیرہ ایک ایسا کام ہوتا ہے جس پر سزا اور عتاب واجب ہے۔

گُناہ اور مسیحیّت

اس عنوان کے تحت آیئے ہم کچھ مسیحی تصوّرات اور تعلیمات پر بھی کیوں نہ غور کر لیں۔ اس ضمن سے چند باتیں اہم ہیں مثلاً گُناہ کا وجود اور اس کی آمد یا ابتدا، گناہ کی ماہیت گناہ جبلی چیز ہے یا نہیں، انسان پر گُناہ کا اثر بد۔ گُناہ کی سزا۔ اور آخر میں، کیا گناہ سے بچنے یا اسکے اثر بد یا نتائج بد سے بچنے کا بھی کوئی امکان ہے یا نہیں وغیرہ وغیرہ۔

گُناہ پر ایک طائرانہ نظر اور

گُناہ کا وجُود

تاریخ انسانی پر نگاہ دوڑائی جائے تو ہمیں یہی نظر آتا ہے کہ ہر جگہ گڑبڑی اور فساد ہے انسان نے جب بھی، حتیٰ کہ آج بھی جب جب اپنے دل کو ٹٹولا ہے یا اپنے ساتھیوں اور

ابنائے جنس کے کردار پر بھی نظر کی ہے گناہ کے وجود کا اقرار کیا ہے۔ گناہ کی کارفرمائی ہر جگہ نظر آتی ہے حتیٰ کہ وہ لوگ بھی جن کو کبھی کوئی وحی یا الہام نہیں ملا ہے گناہ کا اور اسکے وجود کا ویسا ہی شعور رکھتے ہیں جیسا کہ آسمانی وحی کے ماننے والے بھی اپنے نقائص کا اقرار کرتے ہیں اور یہ بات بھی مانتے ہیں کہ اخلاقی وسماجی طور پر جن باتوں کے وہ مکلف بنائے گئے تھے اور جن کے کرنے کی ذمہ داریاں ان پر عائد تھی ان پر عمل درآمد سے قاصر اور عاجز رہے ہیں۔

انسان کی ایک بہت بڑی تعداد یہ مانتی چلی آئی ہے کہ گناہ نہ صرف ایک بڑے فضیحتے والی بُرائی ہے بلکہ وہ اللہ ہمارے خالق و مالک سے منہ موڑنے والی بات ہے حالانکہ خُدا ہی ہماری زندگی کا نصب العین ہونا چاہیئے۔ اس طبعی انحراف کا مطلب صرف یہی نہیں ہے کہ ہمارا میلان گناہ کی طرف ہوجاتا ہے اور بڑھتا ہی رہتا ہے بلکہ اللہ سے جُدائی کا یہ نتیجہ بھی ہوتا ہے کہ بھلائی و نیکی کے چشمہ سے ہمارا ایک طرح کا انقطاع بھی ہوجاتا ہے۔

تجربہ نے اس بات کی بھی بخوبی وضاحت کردی ہے کہ نفسانی اور طبعی انسان کے بس میں یہ بات نہیں رہ گئی ہے کہ گناہ کی انسان کے اندر زبردست قوت اور اسکے زندگی میں سخت اثرات کا اندازہ لگا سکے۔ اگر کوئی ایماندار ہے اور اسکے پاس خدا کی شریعت تو وہ اس کی تربیت بھی کرتی ہے اور ہدایت بھی دیتی ہے اور مسیح تک پہنچا بھی دیتی ہے اور تب مسیح اسے خدا کا فضل عطا کرتے ہیں اور وہ گناہ کی حقیقت اور اسکے اثرات بد کو پہچاننے لگتا ہے کہ گناہ میں دل چسپی لینا انسان کو بگاڑنے اور اسکی تخریب میں حصہ اور دل چسپی لینے کے برابر ہے۔ اس وقت اسے الٰہی فضل و نصرت و مدد کا شدید طور پر احساس ہوتا ہے جو اسے استباز

اور نیک بنانے کے لیے اللہ نے کفارہ اور فدیہ کے خون کی صورت میں جناب مسیح کے ذریعہ سے انسان کو پہنچائی ہے۔ اپنے عام معانی میں گناہ کہتے ہیں تعدی کو جیسا کہ انجیل (پہلا خط یوحنا ۳: ۴) شریف میں وارد ہے۔

"۔ خدا کے احکام کو روندتے ہوئے آگے بڑھ جانا تعدی ہے۔ یہ حد مقررہ سے تجاوز کرنیکا نام ہے۔ یہ تعدی و تجاوز خواہ کتنا ہی معمولی اور ہیچ ہو اور اس کا کرنے والا خواہ کوئی بھی ہو عذر پیش کرے اس میں شک نہیں کہ خدا کے حق میں وہ جرم ہی رہتا ہے اور چونکہ خدا سے زیادہ کوئی محترم اور عظیم ہے نہیں اسلئے اس کے حکم کو روندنا کس قدر بری بات ہوگی ذرا اس کی سنجیدگی پر غور کرو!

اصلی گناہ:

انجیل شریف میں (رومیوں کو خط ۵: ۱۲) لکھا ہے کہ:

"ایک آدمی کے سبب سے گناہ دنیا میں آیا اور گناہ کے نتیجہ
کے طور پر موت آئی اور سب آدمیوں میں پھیل گئی یہ اسلئے
کہ سب نے گناہ کیا۔"

یہاں ایک آدمی سے اشارہ ہے ہمارے جد اعلیٰ حضرت آدم کی طرف مع حوا کے کیونکہ جوڑے کو ملا کر ایک شخص واحد بنتا ہے۔ خط کے لکھنے والے نے آدم ابوالبشر کے گناہ کو ہر شخص یعنی ان کی ہر ذریت کے گناہ کا سبب مانا ہے آدم کو نسل انسانی کا نائب بتایا گیا ہے۔

دنیا کے کچھ فلسفی یہ مانتے ہیں کہ انسان طیب و طاہر پیدا ہوتا ہے اور جب وہ فاسد ماحول میں رہتا ہے تو اس سے بری طرح متاثر ہوتا ہے اور تب گناہ اس میں سرایت کرتا اور جنم لیتا ہے۔ پھر ماحول ہی گناہ کی نشو و نما کو بڑھاتا ہے لیکن کیا یہ بات سچ ہے؟ اگر ماحول کے فساد کو گناہ کے پیدا ہونیکا سبب مانیں تو پھر ماحول میں فساد کہاں

سے آیا اس کا جواب ممکن نہیں کیونکہ فساد تو گناہ کی وجہ سے ہی ہوتا ہے۔

بات دراصل یہ نہیں ہے بلکہ گناہ انسان کی جبلت میں واقع ہے اور غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ نوزاد بچے میں بہت سی خصلتیں اور رجحان خود اس کی طبیعت میں ہوتے ہیں اور یہ جبلی اور پیدائشی ہوتے ہیں کسی کے سکھائے پڑھائے سے نہیں پیدا ہوتے۔ یہ بات دوسری ہے کہ چونکہ ماحول بھی ایسے ہی لوگوں سے مرکب ہوتا ہے اسلئے اس فساد طبیعت کو پھلنے پھولنے کا موقع وہاں خوب خوب ملتا ہے یعنی فاسد سرشت و طبیعت اور فاسد گرد و پیش گویا سونے پر سہاگہ۔

گناہ فطری اور جبلی امر ہے:

انسان میں فساد طبیعت خلقی اور پیدائشی یعنی جبلی چیز ہے۔ کوئی بھی جاندار خود اپنی نوع سے مغائر اور الگ نہیں ہوتا! کیا آپ نے یہ دیکھا بیل نے ہاتھی پیدا کیا ہو یا جیسا کہ خود جناب مسیح فرما گئے ہیں "اونٹ کٹارے (ریگستان میں پیدا ہونے والا ایک کنٹیلا پودا) سے انگور نہیں اگتا"۔ یہی قانون فطرت انسان پر بھی چسپاں ہوتا ہے۔ آدم یعنی انسان اوّل نے چونکہ اپنے عصیاں و سرکشی کی وجہ سے خدا کی عطا کی ہوئی حیات طیبہ مستقیمہ کو مسخ کر دیا، بدنما بنا دیا اور سزا اور نتیجہ کے طور پر راندہ ہوئے فردوس بریں سے باہر نکال دیئے گئے اور ارض کو ان کا ٹھکانا بنا دیا گیا۔ جو خود ان کی وجہ سے ملعون بنی۔ اسی زمین پر انھوں نے اولاد پیدا کی۔ ان کی نسل اور ذریت طبعاً مطرود و راندہ تھی اسے جنت کی پاکی کا کوئی علم و تجربہ نہ تھا۔ اس حالت زار کی تصویر کشی حضرت داؤد نے اپنے زبور (۵۱: ۵) میں یوں کی ہے:

"دیکھ میں نے بدی میں صورت پکڑی اور میں گناہ کی حالت
میں ماں کے پیٹ میں پڑا۔"

پولس (ایک شاگرد مسیح) نے کہا:

"کوئی راستباز نہیں، ایک بھی نہیں، ایک بھی نہیں؛ کوئی سمجھ دار نہیں، کوئی خدا کا طالب نہیں، سب کے سب نکمے بن گئے، کوئی بھلائی کرنے والا نہیں ـــــ ایک بھی نہیں" (رومیوں ۳: ۱۰-۱۲)

وراثتی گناہ اور سقوط و ہبوط آدم کے بارے میں کتاب مقدس کی تعلیم کی آگسٹین نے کچھ اس طرح پر شرح کی ہے:

۱۔ انسان کو اللہ نے اصلیت اور حقیقت میں تو اپنی صورت و شبیہہ دے کر خلق کیا تھا یعنی علم و معرفت، نیکی و پاکبازی کی سیرت عطا کی تھی اور اُسے زندہ جاوید ہستی کے طور پر پیدا کیا تھا، مخلوقات کا حاکم و مختار بنایا تھا، اسے خیر و شر کی تمیز اور قدرت دی تھی اور اس کے اندر ایک اخلاقی و روحانی طبیعت و مزاج کو ودیعت کی تھی۔

۲۔ آدم نے جب اپنی آزاد مرضی کو کام میں لایا اور خدا کی مرضی کے خلاف خود اپنی راہ اپنائی اور گناہ کا ارتکاب کیا، ابلیس کی بات مانی، تو وہ اس مقدس و پاک حالت کو کھو بیٹھے اور مقام ارفع سے گر گئے۔

۳۔ وہ الٰہی سیرت و شباہت جو انھیں عطا کی گئی تھی معصیت آلود ہونے کی وجہ سے زنگ آلود ہونے کی وجہ سے زنگ آلود و مسخ ہو گئی اور اس میں بھونڈا پن پیدا ہو گیا اور طبیعت اور مزاج میں فتور و فساد نمودار ہو گیا اور اس حد تک بڑھا کہ روحانی حالت مُردہ سی ہو گئیں۔ اعلیٰ اور روحانی نیکیوں کی طرف سے اچاٹ ہو گئی اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ جسمانی طور پر بھی ان پر موت نے تسلط

بجالیا کس قدر زبردست تھا وہ المیہ کہ جو حیات وجاوید کا وارث بنا تھا موت کا شکار ہوگیا!

۴۔ اگسٹین کہتے ہیں کہ آدم اور ان کی نسل و ذریت میں ایک طرح کا نیابتی رشتہ ہے جو ان کی سرکشی کے باعث وجود میں آیا۔ اب حال یہ ہے کہ ان کی ساری آل و اولاد و نسل عدل و سزا کے ترازو کے تحت آگئی ہے کیوں اس لیے کہ وہ الٰہی منزلت وصورت سے کھو دی ہے جن پر ان کے جد اعلیٰ آدم کو پیدا کیا گیا تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ روحانی اخلاقی اور جسمانی موت وراثت میں آئی اور ایک فساد عظیم آموجود ہوا۔

۵۔ یہ ذاتی اور موروثی فساد گناہ کی وجہ سے نہیں بلکہ گناہ کی طبیعت رکھنے کی وجہ سے پیدا ہوا۔

۶۔ یہ گناہ کی طبیعت اور اسکی طرف میلان اور اصلی راستبازی اور تقویٰ کا فقدان آدم کے اسی گناہ اول اور لغزش کی وجہ سے ہے اور یہ بطور سزا ہے۔

۷۔ اب ضرورت ہے انسان کو ایک نئی زندگی اور خلق جدید کی جو کہ مسیح پر ایمان لانے اور روح القدس کی اثر و تائید سے پیدا ہوتا ہے۔ اس تاثیر و تاثر کے مرحلہ میں نفس انسانی بطور مفعول کے ہوتا ہے۔ (اسکی فاعل کی حیثیت نہیں ہوتی!) یہ مطلقاً ارادہ الٰہی سے متعلق ہوتا ہے اسی لیے خلاص نجات یا چھٹکارا فقط اللہ کے فضل پر ہی موقوف ہے اور اسی کا عمل ہے۔

انسان پر گناہ کی تاثیر۔

ایک انگریز عالم ہکسلی نے کہا ہے کہ انسانی ترقی کے لئے انسانی نفس کو جو تربیت و مشق کرنی

پڑتی ہے، اس سے زیادہ سخت اور محنت طلب تربیت اور مشق میں نے اور کوئی نہیں دیکھی۔ تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ انسان ہمیشہ سے ایک ایسے اثر کا غلام بنا دیا گیا ہے جو اس پر بُری طرح قابض ہے وہ کچھ ایسے دوافع کا شکار ہے جو اسے کشاں کشاں تباہی کی طرف کھینچے لیے جا رہے ہیں۔ پھر وہ کچھ ایسے نہ ختم ہونے والے اوہام کے شکنجہ میں پھنس کر رہ جاتا ہے جو اسے بالآخر بڑی ذہنی اذیت دیتے اور پریشانیوں میں ڈال دیتے ہیں اور اس کا جسم متاعب وغم کے ازدیاد سے گھُل گھُل کر فنا ہو جاتا ہے۔

انسان اس طرح کی جنگ وجدل میں پھنسا ہے خود کو بھی اور اپنے ہم جنسوں کو بھی کبھی ایذا دیتا ہے اور پھر ان پر ماتم کرتا ہے۔ قبریں بھی کھود دیتا ہے اور ان کی تعمیر بھی کرتا۔

کیا اب بھی کسی صاحب دل ونظر کو اس سے زیادہ چیختی ہوئی شہادتیں درکار ہیں جو اسے گناہوں کے اثرات بد کا احساس دلانے والی بنیں؟ کیا اس کے لیے اتنا ہی کافی نہیں ہے کہ اپنے دل کی ہی گہرائیوں میں جھانکے، اپنے ہی میلانات ورجحانات کو دیکھے۔ اسے وہاں بھی ناموس گناہ کی تخت نشینی نظر آئے گی۔

اسی طرح انسانوں کے سماج ومعاشرہ پر ڈالی ہوئی ضرب ایک نگاہ اس حقیقت کی کارروائی کو اُجاگر کر دے گی۔ مقدس زبور ۱۴: ۱ کا اعلان ہے کہ:

"احمق لوگوں نے دل میں کہا کہ کوئی خدا نہیں۔ وہ بگڑ گئے
انھوں نے نفرت انگیز کام کیے ہیں۔ کوئی نیکوکار نہیں۔"

اسی طرح مقدس نبی حضرت یسعیاہ فرماتے ہیں کہ:

"ہم سب بھیڑوں کی مانند بھٹک گئے۔ ہم میں ہر ایک اپنی

راہ سے پھرا ......" (۶:۵۲)

گناہ کا وجود اور اس کی کارفرمائی تو ہر شخص کی زندگی میں ایک ایسا امر ہے کہ نہ تو جس سے کوئی چشم پوشی کر سکتا ہے اور نہ غفلت۔ یہ ایک لاکلام حقیقت ہے۔

بشری مزاج و طبیعتوں کا فاسد ہونا اظہر من الشمس ہے۔ انسان کی بے بسی اور شکست پر شکست دیکھنا ہو تو دیکھئے کہ اپنی انتہائی دلی خواہش کے باوجود اخلاقی قوانین کی نہ پابندی کرتا ہے نہ اچھے کام سرزد ہوتے ہیں خواہ کتنی ہی توبہ کرے اور برے اعمال سے باز رہنے کی کوشش کرے روح القدس کی تائید و مدد کی کتنی ضرورت ہے۔

آج کا انسان اس حقیقی نیکی اور راستبازی کے لحاظ سے کتنا کھو کھلا ہے جو انسان کو اسکے ہبوط سے پہلے حاصل تھی۔

صرف چند سالوں کی ہی جرائم کی تاریخ اس بات کو جان لینے کے لیے کافی ہے کہ انسان کس قدر اپنی خداداد صالح طبیعت کو مسخ کر چکا ہے۔ حضرت آدم کے بیٹے قائن نے جب اپنے بھائی ہابیل کو قتل کیا تو اسی وقت سے ہم انسان کی اس فساد طبیعت کو سر اٹھاتے ہوئے دیکھ سکتے ہیں۔ اس نے خون ریزی اور وہ بھی اپنے بھائی کی کر ڈالی۔ آخر اس نے یہ بدکرداری کیوں کی؟ کیا اس لیے نہیں کہ وہ ایک شر پسند شخص تھا۔ آپ اپنی ہی مثال لے لیجئے۔ آخر ہم کیوں لڑ پڑتے ہیں، کیوں ایک امت دوسری امت پر چڑھائی کیا کرتی ہے؟ یہ سب محض اسی لیے تو ہے کہ افراد کی برائیاں جمع ہوتے ہوتے آخر کو ابل پڑتی ہیں!

گناہ کی سزا یا مزدوری

اللہ نے ہمارے جدِ اعلےٰ آدم کو حکم دیا تھا کہ جنت (باغِ عدن) کا سب پھل تو کھا سکتا

اب رہا خیر و شر کی پہچان کا درخت تو اسکے قریب پھٹکنا بھی نہیں کیوں کہ جوں ہی تو نے اُسے کھایا تیری جان نکل جائے گی اور تو (رُوحانی) طور پر مر جائے گا۔

اسی طرح ہم حضرت حزقی ایل نبی کے صحیفہ میں ہم پڑھتے ہیں کہ جو جان گُناہ کرتی ہے مرے گی (بائبل مقدس: کتاب پیدائش ۲: ۱۷ و حزقی ایل ۱۸: ۲۰) رُومیوں کے خط میں بھی لکھا ہے کہ:

"گناہ کی مزدوری واُجرت موت کی شکل میں ملتی ہے (۶: ۲۳)

آدم و حوا بھی جب حکم خُداوندی کی نافرمانی کے گُناہ میں گرے تو وہ بھی رُوحانی طور پر ختم ہو گئے۔ اللہ، جس سے ان کی گہری قُربت و نزدیکی تھی، جُدائی میں بدل گئی۔ اجنبیت اور شرمساری کا ایک حجاب دونوں کے بیچ حائل ہو گیا۔ اس طرح اللہ کے ساتھ جو رُوحانی رفاقت تھی وہ بھی ختم ہو گئی حتیٰ کہ ہمہ وقت خدا کی حضوری میں رہنے کی تمنا بھی بجھ گئی۔ وہ اپنے منہ چھپانے لگے اور اپنے تئیں جنّت کے درختوں کے درمیان چھپنے کی جگہ ڈھونڈھنے لگے۔ (پیدائش ۳: ۸) انھیں اپنے بدن میں قوت کی کمی اور اپنے ناتوانی کا احساس بھی ہونے لگا۔ اب رہ رہ کر انھیں اللہ تعالیٰ کا وہ انذار اور تنبیہہ یاد آنے لگی کہ جس دن تو نے اسے کھایا ایک موت تو تجھے اسی وقت لاحق ہو جائے گی۔ درحقیقت یہ بات معمولی نہیں تھی خبردار اور چوکنا ہو جانے کی بات تھی۔ گُناہ کا نتیجہ سامنے آچکا تھا۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا آدم کی جنت والی حیثیت ان کے گُناہ کے سبب بالکل ضائع ہو چکی تھی۔ کیا سارا کا سارا کام استحقاق وہ اب کھو بیٹھے تھے؟ کیا اب اسکی بحالی

کی کوئی صورت اور اُمید بالکل منقطع ہو چکی تھی ؛ کیا اب پھر سے جنّت الفردوس کی طرف لوٹنا ناممکن ہو چکا تھا ؟

نہیں بالکل نہیں ! کوئی بھی ایسی بات نہیں ہے اور اُمید کی ڈور ابھی ٹوٹی نہیں ہے ، کیونکہ اللہ تعالیٰ بندوں کو پیار کرنے والا خُدا ہے بلکہ یوں کہیئے بقول حضرت مسیح کہ اُس کی ذات پاک مجسّم محبت ہے۔ اسکی محبت رحمتوں سے معمور و بھرپور ہے۔ اور اور وہ معافی ، بخشش اور مغفرت کے لیے اور سب کچھ درگذر کرنے کو اب بھی تیار ہے ، وہ محبت الٰہی جس میں کسی قسم کی بھی کمی نہیں ہے ، جوش میں آتی ہے ، اللہ کی مُقدّس ذات نے بے بس انسان پر رحم کھانا اور ترس کھانا شروع کر دیا ، کیونکہ یہ ذات مقدّس کسی گُناہ گار کی موت سے خوش نہیں ہے۔ وہ خود بھی ازلی ابدی اور دائم ہے اور اپنی مخلوقات کا بھی دوام اور خلود پسند کرتی ہے۔ اس خدائے محبت نے ایک منجی اور فدیہ دینے والے فادی کی حیثیت اختیار کرلی ہے۔ یہ حضرت یسوع مسیح کی شخصیت میں جو کہ اللہ کا کلمہ ہیں ظہور پذیر ہوتا ہے۔

اللہ کی محبت نے پہلا کرم یہ کیا کہ اس نے سب سے پہلے آدم کی سَتر پوشی کی اور ان کے عیوب برہنگی کو ڈھانکا۔ (پیدائش ۳ : ۲۰)

اس طرح سے اس خداوند نے نجات انسانی اور اسکے کفارہ کے عہد کے اصُول کی ابتدا کی اور اس پر وہ ابتک قائم ہے۔

اسلام میں مغفرت

آیئے اب ہم ذرا قرآن شریف کے نصوص پر نظر ڈالیں اور دیکھیں کہ وہاں کفّارہ اور

مغفرت کی کیا تعلیم ہے اور کیا فرق ہے !

مفسرین قرآن لکھتے ہیں کہ :

"تکفیر کا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں وہ بدی ڈھانک دی جائے اور مغفرت کا مطلب یہ ہے کہ روز قیامت بدی کو بالکل ہی زائل کر دیا جائے گا۔ یہ فرق اسلئے کیا گیا ہے کہ تکرار نہ لازم آئے۔

اعمال اور گناہ کی مغفرت

اسلامی تعلیم ہمیں بتاتی ہے کہ گناہوں کی معافی و مغفرت اعمال صالحہ پر مبنی قرار دی گئی ہے۔ قرآن کی سورہ الرعد کی آیات ۲۱-۲۲، اسی تصور کو پیش کرتی ہے۔

"والذین صبروا ..... من کل باب، یعنی جو لوگ اپنے رب و مالک کی رضا جوئی کی خاطر صبر کے دامن کو نہیں چھوڑتے، نمازیں قائم کرتے رہتے اور ہماری دی ہوئی دولت سے پوشیدہ طور پر بھی اور اعلانیہ طور پر بھی خرچ کرتے رہتے ہیں۔ اور نیکی کر کر کے برائیوں کو دور کرتے ہیں، یہی لوگ عاقبت کے گھر کے مستحق ہوں گے۔ یہ لوگ ان کے وہ باپ دادا، بیویاں اور اولاد جو نیکوکار اور صالح ہوں گے سب جنت عدن میں داخلہ پائیں گے جہاں فرشتے ہر دروازے سے ان کے پاس آئیں گے۔"

آنحضرت سے روایت کی گئی ہے ایک بار آپ نے حضرت معاذ سے فرمایا تھا کہ :

"اگر تو نے کوئی برائی یا بدی کردی ہے تو اسکے ساتھ ہی کوئی نیکی

اور بھلائی بھی کرتا رہ تاکہ یہ اُسے مٹا دے اسی وصف
میں حضرت حسن سے بھی ایک روایت ہے کہ جب تم کو
محروم کر دیا جائے تو دو اور جب ظلم کیا جائے تو معاف کر دو"

زجاج فرماتے ہیں کہ :

"اللہ تعالیٰ کے پاس حسب و نسب کی کوئی وقعت نہیں ہے
صرف اعمال صالحہ ہوں تو وہ بھی مُفید ہیں"

واحدی اور بخاری نے حضرت ابن عباس سے روایت کی ہے کہ :

"اللہ نے طاعت گذاری کے ثواب سے ہی اسکے اس سرور
و خوشی کو ترتیب دیا ہے جو جنت میں اپنے خاندان کیساتھ
رہ کر اسے حاصل ہوگی"

دیکھئے کہ اس روایت سے بھی اسی بات کی طرف نشاندہی ملتی ہے کہ داخلہ جنت بھی اطاعت گذار کے اعمال صالحہ کے احترام میں ہی حاصل ہوگا۔

اب غور کے لائق یہ بات ہے کہ اگر اچھے اعمال والا ہی صرف داخل جنت ہوگا تو اطاعت گذار کے احترام کا سوال ہی کہاں رہ گیا۔ کیونکہ یہ داخلہ اعمال صالحہ کی بدولت ہوگا۔

اب روزہ ، حج ، زکوٰۃ ، جہاد ، تلاوت قرآن ، کلمات شہادت اور اللہ کی مرضی و مشیئت کی روشنی میں مغفرت کا کیا علاقہ ہے اس پر غور کریں۔ :

روزہ اور مغفرت :

سُورۃ احزاب آیت ۳۵ مدعی ہے کہ "روزہ دار مرد و عورت کے لیے اللہ نے ایک زبردست اجر اور مغفرت تیار کر رکھی ہے"

قرآن یہ بھی کہتا ہے کہ: "دو ماہ کا روزہ گناہِ قتل کی بخشش میں بھی کارگر ہے۔"

سورۃ النساء ۴: ۹۲ میں مرقوم ہے کہ:

"اگر مقتول کا ایسے لوگوں سے تعلق ہے جن سے تمہارا معاہدہ ہے ہے تو وارثوں کو اس مقتول کے خون کی قیمت دینا اور ایک مسلم غلام آزاد کرنا چاہیئے، پھر جس کو اس کا بھی مقدور نہ ہو تو وہ مسلسل دو ماہ کے روزے رکھے یہ خدا کی طرف سے مقرر کردہ توبہ ہے۔"

اس آیت کے شانِ نزول کے بارے میں عروہ ابن زبیر نے یہ بتایا ہے کہ احد کے حذیفہ کے والد ابن الیمان جناب رسول اللہ کے ساتھی تھے۔ مسلمانوں میں یہ غلط فہمی تھی کہ یمان حذیفہ کے والد کافر ہیں اور کافروں ہی کے ساتھی ہیں اس لیے مسلمانوں نے یمان پر تلواروں سے وار کرنا شروع کر دیا حالانکہ حذیفہ یہی چلاتے رہے کہ بھائیو یہ تو میرے باپ ہیں۔ یہ بات لوگوں کی سمجھ میں جب آئی تو اس وقت یمان مارے جا چکے تھے۔ حذیفہ نے کہا تم سب کو اللہ معاف کرے کیونکہ وہ بڑا رحم والا ہے۔ یہ خبر آنحضرت کو جب معلوم ہوئی تو آپ نے حذیفہ کو اپنا مقرب خاص بنا لیا۔ اسی ضمن میں یہ آیت نازل ہوئی تھی۔

ایک دوسری روایت کے مطابق شان نزول یہ ہے کہ:

"ابوذر دار ایک فوجی ٹکڑی میں تھے اور رفع حاجت کے لیے ایک گھاٹی میں گئے تھے وہاں ایک آدمی بھیڑیں چراتا ہوا ملا۔ انھوں نے اس پر تلوار سے حملہ کیا اس نے لا الہ الا اللہ کی ہانک لگائی پھر بھی ابوذر نے ہاتھ نہیں روکا اسے قتل

کر کے ہی دم لیا بھیڑ بکریاں ہانک لے گئے ان کے
دل میں خلش پیدا ہوئی جسے آپ نے حضورؐ کے سامنے پیش کیا
آپ نے فرمایا "کیا تو اس کے دل کو چیر کر دیکھ سکا تھا کہ آیا وہ مومن
ہے یا نہیں ؟" ابو درداء کو بڑی ندامت ہوئی تب یہ آیت نازل ہوئی۔"

قرآن میں جھوٹی قسم کے بارے میں بھی آیا ہے جس کی مغفرت کے لیے تین روزہ مقرر ہے، دیکھیئے سورۃ المائدہ آیت ۸۹۔

امام رازی نے لکھا ہے کہ "صحابہ کے گروہ نے کھانا کپڑا حرام کر لیا تھا اور راہب بن بیٹھے تھے اور اس طرح کی زندگی کے لیے قسم کھائی تھی۔ جب رسول اللہ نے اس سے منع کیا تو پوچھنے لگے کہ اب کیسے سبکدوش ہوں تو یہ آیت اتری۔

حج اور معافی گناہ

سورۃ البقرہ آیت ۱۵۸ میں لفظ لاجناح کا مطلب ہے لا اثم یعنی اس پر کوئی گناہ نہیں اگر حاجی صفا و مروہ کا طواف کرلے۔ اس ضمن میں ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ :

"صفا پر بھی اور مروہ پر بھی ایک ایک بت تھا اور جاہلیت
کے دنوں میں لوگ ان کا طواف کیا کرتے تھے اور مس
کرتے تھے اور چومتے تھے۔ جب اسلام آیا تو مومنوں کو
یہ طواف ناگوار گذرنے لگا۔"

زکوٰۃ اور گناہ کی بخشش

قرآن میں یہ بھی آیا ہے :

الذین اقاموالصلوٰۃ و اٰتوالزکوٰۃ لھم
اجرھم عند ربھم ولا خوف علیھم
ولا ھم یحزنون ۝

اس آیت کی تفسیر کے سلسلے میں ابنِ عباسؓ سے مروی ہے کہ:

"لَاخَوْفٌ کا مطلب ہے کہ ایسوں کو قیامت کے احوال کے بارے میں کوئی خوف نہ کرنا چاہیے' اور لَا یَحْزَنُوْنَ کا مطلب ہے کہ جو کچھ دنیا میں چھوڑ کر گئے ان پر انھیں کوئی رنج و غم نہ ہو گا۔ الاصم فرما گئے ہیں، کہ مطلب یہ ہے کہ اس دن وہ دکھ اٹھائیں گے اس کا انھیں خوف نہ ہو گا اور نہ ہی اس کا غم ہو گا کہ انھیں بھی وہ سعادت اور نعمتیں کیوں نہ ملیں جو دوسروں کو عطا ہوئی ہیں کیونکہ آخرت کی زندگی میں کوئی رقابت نہ رہے گی۔

جہاد اور مغفرتِ گناہ

سورۂ البقرہ میں بتایا گیا ہے، آیت ۲۱۸:

"مہاجرین اور مجاہدین فی سبیل اللہ، اللہ کی رحمت کے امیدوار ہوں گے اور اللہ بے انتہا رحیم اور مغفرت کرنے والا ہے۔"

عبداللہ ابن جحش نے حضرت محمد صلعم سے پوچھا کہ:

"اگر فرض کرلیں کہ کوئی سزا اور عذاب ان کاموں پر نہیں ہو گا جو ہم نے کیا ہے تو کیا ہم اس صورت میں اپنے اعمال کے اجر و ثواب کی توقع رکھ سکتے ہیں؟ چونکہ عبداللہ مہاجر

بھی تھے اور مجاہد بھی، اس لیے یہ آیت نازل ہوئی۔"

تلاوتِ قرآن اور مغفرت

سورۂ الاعراف ۲۰۴ میں بتایا گیا ہے کہ "جب قرآن پڑھا جائے تو اسکی سماعت کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔"

مفسرین یہ بھی کہتے ہیں کہ اس آیت سے پہلے قرآن کی ساری دنیا والوں کیلئے ایک رحمت (رحمۃ للعالمین) کی حیثیت کا ذکر کیا گیا ہے۔"

حدیث میں آیا ہے کہ "حضرت ابوذر نے رسول اللہ سے کہا کہ مجھے اس بات کا اندیشہ ہے کہ قرآن تو سیکھ لوں مگر اس پر عمل نہ کر پاؤں گا۔"

آنحضرت نے فرمایا "ڈرو نہیں، اللہ کبھی بھی ایسے دل کو دکھی نہیں کرے گا جس میں قرآن بسا ہو۔"

اسی طرح انس بن مالک کہتے ہیں کہ:

"رسول اللہ نے فرمایا کہ جو قرآن کی سماعت کرتا ہے اس سے دنیا کی بلائیں دور کر دی جاتی ہیں جو قرأت کرتا ہے اس سے آخرت کی بلائیں۔"

ابن مسعود بھی کہتے ہیں کہ جو قرآن پڑھتا ہے حتیٰ کہ وہ خوب یاد ہو جاتا ہے اور پھر اسی طرح برقرار رہتا ہے تو رسول اللہ نے فرمایا ہے کہ:

"اللہ اسے داخلِ جنت کرے گا اور اسے اپنے دس اقارب و اعزہ کی شفاعت کا حق بھی ملے گا۔ جن کا دوزخ میں جانا واجب ہے۔"

کلمہ شہادت اور مغفرت

ابوہریرہ نے بتایا کہ ابوذر غفاری نے آنحضرتؐ سے پوچھا کہ :

"اے رسولِ خدا مسلم کی نجات کس طرح ہے؟ آپ نے فرمایا کہ مسلم اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰـهَ اِلَّا الله وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ الله کے اقرار سے نجات پائے گا۔"

اللہ کی مرضی و مشیئت اور مغفرت گناہ

آل عمران کی آیت ۱۲۹ یوں ہے :

"آسمانوں اور زمین کی بادشاہی تو اللہ کی ہے وہ جس کی چاہے مغفرت کر دے اور جسے چاہے مغفرت کر دے اور جسے چاہے عذاب دے۔"

اس کے ضمن میں رازی نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ :

"ہمارے گروہ کے لوگ اس آیت سے یہ احتجاج پکڑتے ہیں کہ اللہ سبحانہٗ کے ہاتھوں میں پورا پورا اختیار ہے کہ اپنی الٰہیت کے تحت سارے کافروں اور مشرکوں کو جنت میں ڈال دے اور سارے مقربین و راستباروں کو دوزخ میں، اور اسکے اس عمل سے اس پر کوئی اعتراض نہیں وارد ہو۔"

جب رازی یہ کہتے ہوئے سُنائی دیتے ہیں کہ اس آیت کے ظاہری معنی اسی خیال پر دلالت کرتے نظر آتے ہیں اور عقلی برہان بھی تائید کرتا ہے، تو کیا رازی بھی اسی خیال کے مؤید نہیں! یہ بھی

کہتے ہیں کہ بندوں کا فعل ارادہ پر موقوف ہے اور ارادہ کا خالق و محرّک اللہ ہے۔ تو جب اللہ ہی اس کا پیدا کرنے والا ہو، تب ہی بندہ مطیع ہوتا ہے۔ اطاعت کے ارادہ کے پیدا کئے جانے پر اطاعت اور نافرمانی کے ارادہ کے خلق پر وہ نافرمانی کرتا ہے۔ لہٰذا بندہ کی اطاعت و معصیت دونوں ہی اللہ کی طرف سے ہو گئی، اللہ کا کوئی فعل اللہ پر کسی وجوب کو عاید نہیں کرتا یعنی نہ طاعت ثواب کی موجب بنتی ہے نہ معصیت سزا و عقاب کی، بلکہ سب کچھ اللہ کے اور اسکے الٰہی ارادۂ قدرت اور حکم پر موقوف ہے۔

اس موقع پر ہم آپ کو یہ بھی بتاتے چلتے ہیں کہ اس طرح کا تصور کتاب مقدس (بائبل) کا نہیں ہے بلکہ وہاں گناہ کے کفّارہ کے لیے قربان اور فدیہ وایثار پر زور دیا گیا ہے اور اس فدیہ و کفّارہ کی ذمہ داری خود اللہ نے اپنے کندھوں پر لے رکھی ہے اور عبرانیوں ۹:۲۲ کے خط میں صاف صاف کہا گیا ہے کہ بلا خون بہائے گناہوں کی معافی ناممکن ہے۔ وہاں شروع ہی سے ایک قرمزی لکیر نظر آتی ہے جس سے خون کی بوندیں ٹپکتی رہتی ہیں۔

چوں کہ اللہ کی ذات کامل ہے اسلئے اس کی طرف یا اس کی مشیئت کیطرف اس بات بات کو منسوب کرنا کہ وہ انسان کا گناہ اپنے الٰہی عدل و انصاف کے حساب میں بخش دے صحیح نہیں۔ کیونکہ یہ اس کا تو ایک اٹل حکم ہے کہ:

"جو جان گناہ کرے گی ضرور مرے گی۔"

(نبی حزقی ایل کا صحیفہ ۱۸:۴، ۲۰)

اگر وہ کسی عاصی کو معاف کرتا ہے تو اس کا کوئی سبب بھی ہونا چاہیئے جو اسکے عدل کے مطابق ہو اور اسکے عدل کو تشفی بھی دے۔ یہ تشفی ہمیں کتاب مقدس کے عہدِ عتیق میں بھیڑ بکرے اور مینڈھوں جیسے جانوروں کی قربانی میں نظر آتی ہے جسے اللہ تعا

قبول فرماتا ہے۔ کیونکہ ان قرابین میں مسیح کی قربانی کا عکس ورمز تھا۔ اور یہ عکس فضل ومحبّت ونعمت کے نئے عہد میں حقیقت کی شکل اختیار کرلیا اور اسی ذبح و ذبیحہ سے ہم الٰہی عدل کو پورا ہوتے دیکھ رہے ہیں۔ ان میں سارے ایماندار کامل وطاہر کئے جاتے ہیں زبور (۸۵ : ۱۰) کی نبوت بھی اسی میں پوری ہوتی ہے کہ :

"شفقت اور راستی باہم مل گئی ہیں۔ صداقت اور سلامتی نے ایکدوسرے کا بوسہ لیا ہے"

یہاں یہ بیان اب ہم ختم کرتے ہیں اور اگلی فصل میں مسیحی کفارہ سے بحث کرتے ہیں۔

اسلام میں ناقابلِ معافی گناہ

شرک : آلِ عمران کی آیت ۱۱۶ سے ظاہر ہے کہ اللہ اپنی ذات کے ساتھ کسی اور کو الوہیت میں شریک کئے جانے والے گناہ کے علاوہ اور گناہ جسے چاہے معاف کردے گا چونکہ شرک سے بڑی کوئی اور گمراہی ہے نہیں اسلئے تفیسروں میں یہی لکھا ملتا ہے کہ مشرک اللہ کی رحمت سے قطعاً محروم رہے گا۔

کچھ مفسر کہتے کہ یہ آیت ان کے حق میں آئی جو فرشتوں کو پوجتے تھے اور یہ مانتے تھے کہ وہ اللہ کی بیٹیاں ہیں۔ قرآن نے بھی کہا ہے کہ جو لوگ روز آخرت پر ایمان نہیں رکھتے وہ فرشتوں کو مؤنث قسم کا نام دیتے ہیں اور ایک جماعت نے یہ مانا ہے کہ آیت کا مصداق وہ لوگ ہیں جو صنم پرستی کرتے تھے اور یہ مانتے تھے کہ ان اصنام میں سے ہر ہر ایک میں سے شیطان بولتا تھا۔

۲۔ کسی مسلمان کی قصداً جان لینا۔ مثلاً ومن یقتل مومنًا متعمّدًا ؟

فجزاءہ جھنّم یعنی جو شخص بھی جان بُوجھ کر کسی ایمان دار کی جان لے گا اسکو اس کا بدلہ جہنم کی شکل میں ملے گا۔

اسی ضمن میں امام ابو حنیفہ کا یہ قول ہے کہ "قصداً عمداً میں کفّارہ نہیں ہوتا"

ابن عبّاس کا یہ کہنا ہے کہ "قتل عمد کا از تکاب وہ سرکشی ہے جس کی توبہ مردُود ہے۔ اور ناقابل قبول ہے۔

۳۔ ارتداد: آلِ عمران ۹۰ کی تفسیر میں کہا گیا ہے کہ:

"مرتد شخص بے ایمانی میں چونکہ اور بھی زیادتی کرتا ہے یا یوں کہنا چاہیئے کہ ارتداد اور اس پر بضد رہنا ایک ایسی حرکت ہے جو بے ایمانی میں کثرت پیدا کرتی ہے اور کفر پر کفر بڑھتا چلا جاتا ہے۔ اس لیے ناقابلِ معافی ہے"

قفّال اور ابن الانباری نے کہا کہ:

"جو شخص ایک بار توبہ کے بعد دوبارہ کُفر کرے تو پہلی توبہ بھی نامقبول ہو جاتی ہے اور ایسی بن جاتی ہے جیسے رہی ہی نہ ہو"

مسیحیّت میں کفّارہ کا تصوّر

ستر پوشی، ڈھانکنا یا چھُپانا لفظ کفّارہ کا مطلب ہوتا ہے لیکن مسیحی اصطلاح میں کفّارہ کہتے ہیں۔ اس اقدام کو جو المسیح نے اپنی اطاعت تامّہ اور الٰہی مرضی کے تحت انسان کے قصُور کی معافی کے لیے صلیبی موت اور اپنے خُون بہانے کے ذریعہ اٹھائے تھے تاکہ اس خُون کے وسیلہ

سے انسان اس سزا سے بچ جائے جس کی لعنت شریعت نے مقرر کردی تھی اور عابد و معبود کے درمیان پھر وہی یگانگت اور قربت پیدا ہوجائے جو جنّت الفردوس میں شروع شروع میں تھی اسی مفہوم میں جناب پطرس حواری مسیح نے فرمایا تھا :

"مسیح نے بھی یعنی راستباز نے ناراستوں کے لیے ان کے گناہوں کے باعث ایک بار دُکھ اٹھایا تاکہ ہم خدا کے پاس پہنچائے۔ وہ جسم کے اعتبار سے تو مارا گیا لیکن روح کے اعتبار سے زندہ کیا گیا" (۲ : ۱۸)

مسیح کے اس کفارہ پر مختلف زاویوں سے نگاہ ڈالنے کی ضرورت ہے ایک رُخ یہ ہے کہ اس کفارہ کا اللہ سے اس کی محبت، تقدیس اور عدل سے کیا رشتہ ہے؟ دوسرا رُخ یہ ہے کہ اس کا انسان سے اور اسکے افعال سے کیا تعلق ہے؟ کفارہ انسان میں کیا تاثیر پیدا کرتا ہے اس کی کیا اہمیت ہے؟ وغیرہ وغیرہ

دراصل مسیح کی طرف سے دیئے گئے اس کفارہ کا یہ اثر ہوتا ہے کہ انسان کے گناہوں اور خطاؤں کی تکفیر ہوجاتی ہے، سب کا سب غریق رحمت کردیا جاتا ہے۔ عاصی اپنی بدکرداریوں کے نتائج و سزا سے بری کردیا جاتا ہے۔ شریعت کی مقرر کردہ لعنت اور سزا دور کردی جاتی ہے، اور اس پر جاری کیا ہوا فتویٰ سزا ہٹا دیا جاتا ہے، کیوں کہ اللہ کا تقاضائے عدل پورا ہوجاتا ہے۔

اللہ کی انسان سے نفرت و ناراضی جاتی رہتی ہے۔

اللہ کی قبولیت کی درگاہ تک خاطی و عاصی کی پہونچ ہوجاتی ہے۔

عاصی و گنہگار سے نہ کوئی بدلہ لیا جاتا ہے اور نہ قصاص۔

مسیح کی قربانی و فدیہ کے طفیل سارے گناہ رحمت الٰہی ڈھانپ لیتی ہے۔
قصاص اُٹھ جانے کی وجہ یہ ہے کہ خود گناہ گار کو جو بدلہ ملتا ہے اسے مسیح نے اپنے ذبیحہ کے وسیلے اٹھا لیا ہے۔ مسیح کے ایک صحابی اور حواری حضرت یوحنا نے فرمایا ہے کہ:

"محبت اس میں نہیں کہ ہم نے خدا سے محبت کی بلکہ اس میں ہے کہ اس نے ہم سے محبت کی اور ہمارے گناہوں کے کفارہ کیلئے اپنے بیٹے (مسیح) کو بھیجا۔" (پہلا خط ۴: ۱۰)

ایک رائے کفارہ کی بابت یہ بھی ہے کہ یہ وہ کنجی ہے جس سے وہ در قربت و صلح کھل جاتا ہے جو انسان کے گناہ کی وجہ سے ان کے بیچ بند ہو چکا ہے نیز کفارہ کی وجہ سے خدا کی شریعت کی توہین ہوتی ہے جس نے روز اول ہی سے گناہوں کی سزا مقرر کر رکھی ہے کیونکہ وہ پوری کر دی جاتی ہے جیسا کہ پولس نے کہا:

"خدا نے مسیح میں ہو کر اپنے ساتھ دنیا کا میل ملاپ کر لیا اور ان کی تقصیروں کو ان کے ذمہ نہ لگایا، اور اس نے میل ملاپ کا پیغام ہمیں سونپ دیا ہے۔"
(کرنتھیوں کو دوسرا خط ۵: ۱۹)

انسان نے اللہ کی صفات، سیرت و طبیعت پر بہت غور کیا ہے اور اس کی گنہگار مخلوق سے اس کا اب کیا رشتہ رہ گیا ہے اس پر بھی فلسفہ کا وہ وہ رنگ چڑھایا گیا ہے کہ دیکھتے ہی بن پڑتا ہے؟ اس پر بھی غور کیجئے اور اس گتھی کو کتاب مقدس (بائبل) نے کس طرح سلجھایا ہے؟ وہ ہم آپ کے سامنے رکھ رہے ہیں۔
خدا عادل و قدوس خدا ہے اس کے عدل نے تقاضا کیا کہ گنہگار سزا پائے اللہ

محبت کا خدا ہے وہ انسان کو بچانا چاہتا ہے، کفّارہ بھی اس کا ایک طریقہ نجات شروع سے رہا ہے اسلئے سوائے فدیہ و کفّارہ کو اپنائے، انسان اور خدا کی مصالحت ممکن نہیں دکھائی دیتی۔ اسی لئے آغاز تخلیق آدم کے وقت سے ہی ہم اس کی کارفرمائی دیکھتے ہیں۔ آدم و حوا کی خطا و نافرمانی کی وجہ سے جب حُلّہ بہشتی ان سے چھن گیا اور جب انھوں نے خود کو اللہ کے حضور ننگا پایا تو اس برہنگی کو اللہ نے ڈھانپا اور ان کی ستر پوشی کی یعنی تکفیر یا کفّارہ کا عمل ظاہر ہوا۔ حضرت ہابل (آدم کے بڑے بیٹے) کی قربانی بھی اللہ کو بڑی پسندیدہ تھی۔ (پیدائش ۴: ۴)۔ حضرت ابراہیم کو بھی ایک ذبح عظیم مینڈھے کی شکل میں مہیا کیا گیا جو بیٹے کی جگہ بر بطور فدیہ تھا تاکہ ان کا بیٹا بچ جائے۔

یہ سب کیا تھا، اس قربانی کا عکس تھا جو مسیح سب کے لیے دینے والے تھے۔ اسی طرح حضرت موسیٰ کے وقت بنی اسرائیل کو ملک مصر میں فسح کا برّہ ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ (کتاب مقدس خروج ۱۲:) یہی بات مسیح کے ایک شاگرد پولس نے کہی:

"ہمارا بھی فسح یعنی مسیح قربان ہوا اسلئے آؤ ہم عید منائیں
نہ پرانے خمیر سے اور نہ بدی و شرارت کے خمیر سے بلکہ
صاف دلی اور سچائی کی بے خمیر روٹی سے۔" (۵: ۷، ۸)

عہد جدید میں اس کفّارہ کی نمائندگی اس فدیہ سے ہوتی ہے جسے صلیب پر چڑھکر یسوع المسیح نے پورا کر دیا تاکہ اللہ کی شریعت کے تقاضے اور مقاصد بھی پورے ہو جائیں اور خاطی و عاصی انسان کی نجات و خلاصی بھی ہو جائے۔

چنانچہ المسیح کی موت ایک عوضی موت ہے تاکہ گناہوں اور خطاؤں پر جو قصاص واجب آتا ہے اسکے مقتضیات بھی پورے ہو جائیں اور الٰہی عدل و انصاف کے تقاضے

بھی۔

اب خوشی کی خبر تو یہی ہے یعنی یہ کہ انجیل کہ اس فادی اور اسکے فدیہ پر جو ایمان لاتا ہے وہ خدا کی محبت اور اسکے رحم کی تصدیق کرتا ہے اسلئے راستباز ٹھہرا دیا جاتا ہے۔ دیکھئے کہ تو خدا باپ آسمانی (اللہ) اس بات کے لیے مجبور تھا کہ گنہگار کی طرف سے ایک ذبیحہ گذرانے، اور نہ اس کا آسمانی بیٹا (المسیح) مضطر تھا کہ ایک فداکار کی خدمت اپنے ذمہ لے لے بلکہ یہ تو اللہ کی الوہیت کا ملہ تھی۔ رحمت و شفقت سے بھرپور، جس نے سارے قوانین سزا کو ختم کر دیا اور ایک عوضی اور نیابتی دکھ کو گلے لگایا جس کو کلمۃ اللہ (المسیح) نے خاطی کے عوض جسم اختیار کر کے مکمل کر دیا۔

خداوند ہی فدیہ دینے والا ہے اسی نے اس حقیقت کا اعلان کر دیا ہے کہ:

"میں اپنی بھیڑوں کو جانتا ہوں اور میری بھیڑیں مجھے جانتی ہیں اور میں بھیڑوں کے لیے اپنی جان دیتا ہوں۔"

(انجیل یوحنا ۱۰: ۱۵)

اور جب مسیح کے اس قول کا مقابلہ ان کے اس قول سے کرتے ہیں جو تیرھویں آیت میں ہے کہ:

"مزدور جو نہ چرواہا ہے اور نہ بھیڑوں کا مالک، بھیڑیے کو دیکھ کر بھیڑوں کو چھوڑ کر بھاگ جاتا ہے اور بھیڑیا ان کو پکڑتا اور پراگندہ کرتا ہے۔ چونکہ وہ مزدور ہے اس لیے وہ بھاگ جاتا ہے۔ اسکو بھیڑوں کی فکر نہیں، اچھا چرواہا میں ہوں۔" وغیرہ

تب ہم پر وجہ ظاہر ہو جاتی ہے کہ قدوس خداوند خود کو کیوں خالی کرنے پر راضی ہوگیا؟ اور جسد و بدن اختیار کر لیا، دُکھ اٹھایا اور ہماری خطاؤں کے لئے صلیب پر خوشی خوشی چڑھ گیا۔ اسی نیابتی دُکھ والم کے لزوم کی وضاحت یوں کی گئی ہے:

"جو کام شریعت، جسم کے سبب سے کمزور ہو کر نہ کر سکی وہ خدا نے کیا یعنی اس (خدا) نے اپنے بیٹے (مسیح) کو گُناہ آلود جسم کی صورت میں اور گُناہ کی قربانی کے لیے بھیج کر جسم میں گناہ کی سزا کا حکم دیا۔ تاکہ شریعت کا تقاضا ہم میں پورا ہو جو جسم کے مطابق نہیں بلکہ رُوح کے مطابق چلتے ہیں" (رومیوں ۸: ۳،۴)

اور یسعیاہ نبی کی نبوت (۵۳: ۵) کا تتمہ ہوگیا جس میں کہا گیا ہے کہ:

"وہ ہماری خطاؤں کے سبب سے گھائل کیا گیا اور ہماری بدکرداری کے باعث کچلا گیا۔ ہماری سلامتی کے لیے اس پر سیاست ہوئی تاکہ اسکے مار کھانے سے ہم شفا پائیں"۔

پھر دیکھئے کہ فدا و فدیہ اور غفران و معافی کے عطا کرنے کی تاکید کے ساتھ جو نجات کی برکتیں اللہ کے مومن گروہ کے لیے ملزوم ہیں اس کی بھی دو وجہیں ہیں:

اوّل یہ کہ مسیح اور ان کے دُکھ والم کی اطاعت کی جزا میں مومنوں سے وعدہ کیا گیا تھا کہ "جیسا ایک گناہ (گناہ آدم) کے سبب سے وہ فیصلہ ہوا جس کا نتیجہ سب آدمیوں کی سزا کا حکم تھا، ویسا ہی راستبازی کے ایک کام کے وسیلے سب آدمیوں کو وہ نعمت ملی جس سے راستباز ٹھہر کر زندگی پائیں کیوں کہ جس طرح ایک ہی شخص کی نافرمانی سے بہت سے

لوگ گنہگار ٹھہرے اسی طرح ایک کی فرماں برداری سے بہت سے لوگ راستباز ٹھہریں گے۔" (رومیوں ۵ : ۱۸-۱۹)

سبب ثانی یہ ہے کہ انسان کے لیے فدیہ کا وہ عہد و پیمان جو ازل سے باپ اور بیٹے کے درمیان ہوا تھا، عدل کے اقتضاء میں پورا کیا گیا۔ مثلاً زبور ۴۰ : ۶) میں وحیِ الٰہی یوں ہے کہ :

"قربانی اور نذر کو تو پسند نہیں کرتا، تو نے میرے کان
کھول دیئے ہیں۔ سوختنی قربانی اور خطا کی قربانی تو نے طلب نہیں کی۔ تب میں نے کہا دیکھ! میں
آیا ہوں۔"

یہ مسیح نے بھی فرمایا ہے ملاحظہ کیجئے عبرانیوں ۱۰ : ۵-۷۔ میں پھر رومیوں (۵ : ۸ میں مرقوم ہے کہ :

"خدا اپنی محبت کی خوبی کو ہم پر یوں ظاہر کرتا ہے کہ جب ہم
گنہگار ہی تھے تو مسیح ہماری خاطر موا (جان دی)!"

فدیہ لازمی ٹھہرا

جس چیز نے فدیہ و فدا کو صرف ایک سماجی ضرورت سے بہت اعلیٰ کر دیا ہے وہ ہے انسان کی پکار اور چیخ، کیوں کہ ہر فرد ہلاکت و موت کی زد میں ہے۔ مسیح نے فرمایا تھا کہ:

"اگر آدمی ساری دنیا حاصل کرے اور اپنی جان کا نقصان اٹھائے تو اسے کیا
فائدہ ہوگا؟ آدمی اپنی جان کے بدلے کیا دے گا؟" (متی ۱۶ : ۲۶)

حضرت داؤد کی زبان سے بھی اللہ نے فرمایا تھا کہ :

"ان میں سے کوئی کسی طرح اپنے بھائی کا فدیہ نہیں دے
سکتا۔ نہ خدا کو اس کا معاوضہ دے سکتا ہے۔"

(زبور ۴۹ : ۷)

اگر توبہ کی جہت سے دیکھا جائے تو بھی نجات کے لیے فدیہ کی ضرورت ہے کیونکہ ہر متنفس کے دل میں بدیہی طور پر یہ شعور کارفرما رہتا ہے کہ اسکے کیئے ہوئے گناہ اور خطائیں مٹا دینے کی اس میں سکت نہیں تاوقتیکہ انھیں مٹانے کے لیے کوئی باہری وسیلہ نہ کام کرے۔ باہری وسیلہ سوائے فدیہ کے اور کیا ہو سکتا ہے ؟ ورنہ پھر ہم ان ذبیحوں اور قربانیوں کے وجود کی توجیہہ کس طرح کر سکتے ہیں جو معلوم کتنے ہزار سالوں سے نہ صرف ایک دو مذہب میں بلکہ تمام ادیانِ عالم میں مستعمل چلی آ رہی ہیں۔ کیا اس کی وجہ یہ نہیں کہ قلب خاطی کو اس بات کا برابر احساس رہا ہے کہ فدیہ ایک لابدی انسانی ضرورت ہے۔

ہماری اخلاقی طبیعت بھی ہمیں اس بات پر آمادہ کرتی ہے کہ جو تقدس اور پاکی کا طالب ہو اس کا ہم احترام کریں خواہ ہماری مزاج اور سیرت اسکے مخالف ہی کیوں نہ ہوں۔ ہم میں سے ہر شخص یہ محسوس کرتا ہے کہ اسکے گناہ اور خطاؤں کے دلدل سے نجات دینے اور نکالنے اور دوبارہ راستباز ٹھہرانے کے لیے فدیہ کتنا ضروری ہے اسی فداو فدیہ کے طریقہ میں انسان کو راحت محسوس ہوتی ہے اور اس کا دل مطمئن ہوتا ہے۔

ایک عقلی دلیل یہ بھی ہے کہ، چونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ پاک و مقدس ہستی ہے، اور انسان نرا خطا کا پُتلا ہے جو کہ الٰہی سیرت کا ضد بن چکا ہے اسلئے مزدوری و اَجر اور سزا کا مستحق ہے۔ اب بخشش کی صورت یہی ہو سکتی ہے کہ اس پر سے اس کا جرم و

گناہ اٹھالیا جائے یا مستور کر دیا جائے، توبہ سے صالح بن جانا اسلئے ممکن نہیں کہ توبہ اس کی پچھلی خطاؤں پر تو اثر انداز نہیں ہوتی۔

ہاں، اب آئندہ کو وہ یہ اقرار کرتا ہے کہ اس کا ارتکاب نہیں کرے گا۔ اب بلا فدیہ دیئے اگر بخشا جائے تو شریعت کی کوئی قدر و منزلت نہیں رہ جاتی اور خدا کے قدوس و پاک ہونے کا اعتبار برقرار رہتا ہے، اس لیے سزا فدیہ ہی کے ذریعہ ڈھانپی جاتی ہے اور اس میں اللہ کی صفتوں کا بطور کمال اظہار ہوتا ہے۔

۳۔ انسان میں اخلاق کی چونکہ طبیعت ہوتی ہے اسلئے وہ پاکی، نیکی بھلائی اور عدل و انصاف سے بذریعہ ضمیر مطلع ہوتا رہتا ہے۔ اگر اب وہ خطاؤں پر قناعت کر کے بیٹھ رہے اور کفارہ سے واقف نہ ہو تو اس کا ذہن ضمیر اسے جھنجھوڑ کر رکھ دے گا اور ہمیشہ وہ وہ اس جبھن سے دکھ اٹھاتے رہے گا۔

لہذا فدیہ و کفارہ دے کر اگر اسے گناہ کی معافی ملتی ہے تو اس کا دل مطمئن ہو جاتا ہے اور اسے تسلی مل جاتی ہے۔ اسلئے فدیہ و کفارہ انسان کی اخلاقی ضرورت کو بھی پورا کرتا ہے۔

۴۔ اس سے شریعت کا اقتضاء بھی پورا ہوتا ہے کیونکہ شریعت قصاص اور بدلہ کی طالب رہتی ہے کیونکہ جس شریعت میں قصاص و بدلہ جزا و سزا نہ ہو، وہ شریعت بھلا شریعت ہی کیا ہے۔ قصاص و بدلہ شریعت کے مقاصد و غایات کو عزو شرف بخشتے ہیں۔ بلا فدیہ و کفارہ دیئے گناہ کی معافی ایک طرح سے شریعت کا گلا گھوٹنا ہے۔ جناب مسیح بھی جو یہ فرما گئے ہیں، کہ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب تک آسمان و زمین ٹل نہ جائیں ایک نقطہ یا شوشہ توریت (شریعت) سے ہرگز نہ ٹلے گا، جب تک سب کچھ پورا نہ ہو جائے (انجیل، متی ۵: ۱۸)

وہ بھی اسی بات کی تصدیق کرتا ہے کہ شریعت ضرور پوری کی جاتی ہے۔ بصورتِ دیگر تو یہ ماننا ہوا کہ سزا دینے کی کوئی ضرورت ہی نہیں اور یہ ماننا خدا کے عدل و انصاف اور تقدس پر کیچڑ اچھالنا ہے!

۵۔ اگر خلاص و نجات کی ضرورت نہ ہوتی تو خدا کبھی اس کا ذکر اپنے مقدس کلام میں نہ کرتا دیکھیے مسیح بھی فرماتے ہیں کہ جس طرح موسیٰ نے سانپ کو بیابان میں اونچے پر چڑھایا (لٹکایا) اسی طرح ضرور ہے کہ ابنِ آدم (مسیح) بھی اونچے پر چڑھایا جائے۔ (یعنی صلیب پر لٹکے)۔ (انجیل: یوحنا ۳: ۱۴) تاکہ جو کوئی ایمان لائے اس میں ہمیشہ کی زندگی پائے۔

۶۔ اللہ تعالیٰ چونکہ ایک عادل و منصف ہستی ہے اسلئے اپنے بنائے ہوئے عدل کے اصولوں پر ضرور چلتا ہے۔ جس اخلاقی دنیا پر اس کی بادشاہی ہے اس میں کسی طرح کی نافرمانی بددیانتی اور تخریب و اضطراب اسے گوارا نہیں۔ وہ خود اپنے احکام کو توڑ کر انھیں بے وقعت نہیں کرتا بلکہ حد سے تجاوز کرنے والے سے وہ حساب طلب کرتا ہے اور اس پر فتویٰ صادر کرتا ہے الٰہی طریقۂ نجات میں، دراصل اللہ یہ بتاتا اور ظاہر کرتا ہے کہ گناہوں سے اسے کتنی نفرت ہے اور شریعت پر وہ کس قدر غضب ناک ہوتا ہے۔ خود اپنے بنائے ہوئے احکام و اصول (شریعت) کو باوقار و باعزت بنانے کے لیے ہی اس رحیم خدا نے گناہگاروں کے لیے ایک درِ معافی و مصالحت بھی کھول رکھا ہے، یعنی فدیہ و کفارہ!

۷۔ دنیا کے کئی ادیان و مذاہب بھی کفارہ کو بڑی اہمیت دیتے ہیں اور یہ اس اس بات پر دلالت ہے کہ انسانی دل محض توبہ سے مطمئن نہیں ہوتا، بلکہ اس کا ضمیر کفارہ و فدیہ کی ضرورت محسوس کرتا ہے یعنی گناہ گار و خاطی کی طرف سے قربانی کا خون بہایا جائے۔

اب آئیے ذرا ان تین باتوں پر غور کریں جن پر گناہوں کی معافی کے لیے بہت تکیہ کیا جاتا ہے یعنی اعمالِ حسنہ، نماز اور روزہ۔

اعمالِ حسنہ اور نجات

۱۔ بھلے کام کرنا ایک اخلاقی ذمہ داری ہے جنھیں کرنا لازمی ہے۔ ان کی اہمیت سے کوئی انکار نہیں، لیکن یہ یاد رہے کہ وہ اِن گناہوں کا معاوضہ نہیں ہو سکتے جو ہو چکے ہیں یعنی گزشتہ بدکاریوں کے لیے ذریعۂ معافی نہیں بنتے۔ اس حقیقت پر سے پردہ ہٹانے کے ہی جناب مسیح نے فرمایا ہے کہ تم بھی جب ان سب باتوں کی جن کا تمھیں حکم ہوا، تعمیل کر چکو تو کہو کہ ہم نکمے نوکر (بندہ اور غلام) ہیں، جو ہم پر کرنا فرض تھا وہی کیا ہے۔ (لوقا ۱۷: ۱۰) ان کے ایک شاگرد نے یہ لکھا ہے کہ نجات تمہاری طرف سے نہیں، خدا کی بخشش ہے۔ یہ اعمال کے سبب سے بھی نہیں ہے، تاکہ کوئی فخر نہ کرے! (افسیوں ۲: ۹)

(ب)، دیکھئے نہ کہ ہمارے مال و املاک اور صحت و تندرستی، جن سے ہم لطف اندوز ہوتے رہتے ہیں اور مزے کرتے ہیں سب کے سب اللہ ہی کی دین اور اسی کی ملکیت ہیں اور جب ہم ان چیزوں کی خیرات کرتے ہیں تو کیا کوئی چیز ہم اپنی طرف سے بطور ایثار و قربانی کے دیتے ہیں، یا کوئی ایسا کام کیا ہم کر رہے ہوتے ہیں جو جزا و ثواب کا مستحق ہو؟ ہرگز نہیں جو فرض تھا وہ ہم نے کیا تھا اس سے نہ کچھ کم نہ کچھ زیادہ؟

سُنئے کہ حضرت داؤد نے کیا فرمایا ہے:

"اے ہمارے خدا ہم تیرا شکر کرتے ہیں اور تیرے جلالی
نام کی تعریف کرتے ہیں! پر میں کون اور میرے لوگ ں
کی حقیقت کیا ہم اس طرح سے خوشی خوشی نذرانہ دینے
کے قابل ہوں؟ کیونکہ سب چیزیں تیری طرف سے ملتی ہیں
اور تیری چیزوں میں سے ہم نے دیا ہے۔"

(کتاب مقدس، پہلی تواریخ ۲۹: ۱۴)

یہ اقرار حضرت داؤد نے اس وقت کیا تھا جب کہ آپ نے اور آپ کے لوگوں نے مسجد اقصیٰ (یروشلیم کی ہیکل) کی تعمیر کی طرف قدم اٹھایا تھا۔

(ج) کیا اعمالِ حسنہ جو ہم کر دیتے ہیں وہ اس بے احترامی اور توہین کو زائل کر دیتے ہیں جو ہمارے گناہ نے اس اللہ کی شان میں کر دیئے ہیں جس کی صداقت و قدوسی کی تو کوئی انتہا ہی نہیں ہے! اسلئے انسان کے لنگڑے لولے اعمال حسنہ سے ان کا ازالہ نہیں ہوتا اور معافی کے حصول کے وہ بالکل لائق نہیں ہوتے!

(د) اللہ تعالیٰ کی حضوری میں باریابی کی اولین شرط تقدس و پاکی ہے۔ بغیر تقدس کے خدا کی رؤیت بھی ممکن نہیں۔ اعمال حسنہ تو ہمیں تقدس عطا نہیں کر پاتے۔ یہ تقدس جناب مسیح کی تعلیم کے موافق اسی ایماندار کو ملتا ہے جو خدا کے پاک روح کے وسیلہ سے پیدا ہوتا ہے۔ اسلئے خلق جدید کی ضرورت پڑتی ہے۔ آپ نے فرمایا (ایک یہودی ربی کو خطاب کرتے ہوئے کہ:

"میں تجھ سے سچ کہتا ہوں جب تک کوئی آدمی پانی اور

رُوح سے پیدا نہ ہو، وہ خُدا کی بادشاہی میں داخل
نہیں ہو سکتا جو جسم (یعنی رحمِ مادر اور نطفہ انسانی سے
پیدا ہوا جسم ہے) اور رُوح سے پیدا ہوا ہے رُوح ہے۔"
(انجیل مقدس: یوحنا ۳: ۵، ۶)

صلوٰۃ و نجات

نماز تو حقیقت میں ایک کڑی ہے جو خدا اور بندہ کو جوڑتی ہے مناجات کے اور اللہ کی پر فضل شخصیت پر گیان و دھیان کے ذریعہ۔ جب کوئی گناہگار بن جاتا ہے تو اللہ اور بندہ میں علیحدگی اور جُدائی ہو جاتی ہے اور نماز و مناجات مقبول نہیں ہوتی، اسی لیے ان کا جواب بھی ملتا نہیں!

یسعیاہ نبی کی معرفت اللہ نے فرمایا:

"تمہاری بدکرداری نے تمہارے اور تمہارے خدا کے درمیان
جُدائی کر دی ہے اور تمہارے گناہوں نے اسے تم سے
رُوپوش کیا ایسا کہ وہ نہیں سُنتا۔" (۵۹: ۲)

حضرت داؤد نے بھی زبور (۶۶: ۱۸) میں فرمایا ہے کہ:

"اگر میں بدی کو دل میں رکھتا تو خداوند میری نہ سُنتا۔"

صیام و نجات

روزہ بھی نماز ہی کی طرح عبادت کا ایک رُوپ ہے، فروتنی خاکساری اور اللہ کے

سامنے خود کو شکستہ کر دینے کی دراصل ایک بات پائی جاتی ہے روزہ میں۔

پھر بھی یہ بات یاد رہے کہ اس گزشتہ راستبازی کی حالت میں جو اسے ہبوط سے پہلے حاصل تھی اس سے نہیں پیدا ہوتی۔

خدائے تعالیٰ کے تقدس کو داغ دار بنانے کے گناہ کا روزہ بھی معاوضہ نہیں بن سکتا چنانچہ مغفرت کا ذریعہ بننے کی اس میں صلاحیت نہیں۔

حضرت زکریا نبی کی معرفت اللہ نے فرمایا ہے کہ:

"مملکت کے سب لوگوں اور کاہنوں (پیش اماموں) سے کہو کہ جب تم نے پانچویں اور ساتویں مہینے میں ان ستر برس تک روزہ رکھا اور ماتم کیا تو کیا کبھی میرے لیے خاص میرے ہی لئے روزہ رکھا تھا؟ اور جب تم کھاتے پیتے تھے تو اپنے ہی لئے کھاتے پیتے نہ تھے۔؟"

چنانچہ ہمارے روزے نماز بے اخلاص ہوتے ہیں اور لالچ اجر و ثواب سے داغ دار رہتے ہیں۔

٭

خلاصۂ کلام

جو کچھ اب تک کہہ آئے ہیں اس کا نچوڑ بس یہی ہے کہ :

"انسانی نجات کا دار و مدار کفّارہ اور فدیہ پر ہے جو کہ صرف ایک عقلی و نظری منظر یہ ہی نہیں بلکہ ایک حقیقت عملی بھی ہے جس کا وجوب وجود گناہ ختم کرنے اور انسان خاطی و ہابط و ساقط ہے اس کا فساد مٹانے کے لیے بحیثیت قرض و قصاص ضروری ہے۔"

ہم سب نے یہ مانا ہے کہ آدم سے لغزش کے سبب وہ پھسل کر گر گئے۔ یہ گرنا صرف ان کا ہی گرنا نہیں بلکہ نیابتی طور پر ساری ان کی ذرّیت و نسل اس سے متاثر ہوئی جس کی پہلی علامت ان کے ایک بیٹے کے قتل کی شکل میں ابھری، خود اپنے ہی بھائی کے ہاتھوں۔ اس خرابی کو جو اب انسان میں تیزی سے سرایت کر رہی تھی اور نمو پا رہی تھی۔

حضرت نوحؑ علیہ السّلام کے زمانہ میں تو ہم اتنی شدّت اختیار کرتے ہوئے دیکھتے ہیں کہ سوائے چند نفوس کے جن کو اللہ نے خود بچانے کا پلان بنا رکھا تھا سارے بنی نوع انسان ہلاک ہو گئے۔

لیکن خدا کے غضب کے بعد ہی ہم بھی یہ دیکھتے ہیں کہ اللہ جو کہ مجسّم محبت ہے

اپنی محبّت کی خوبی ظاہر کرتا ہے اور انسان سے اس کی بدکرداری مٹانے اور انھیں پاک وصاف کرنے کا انتظام کرتا ہے۔

یہ تدبیر اس وقت تو اپنے کمال معراج پر پہونچ جاتی ہے۔ جب جنس بشری کے نمائندہ بن کر خداوند مسیح خود اس الٰہی محبت میں مجسّم ہو کر ظاہر ہوتے ہیں۔ یہ سب کیوں تھا؟ صرف اس لیے کہ انسان کیلئے چھٹکارے کا کوئی سامان پیدا ہو جائے یہ سامان خود اللہ نے ہی پیدا کیا ہے کسی انسان کے بس میں اسکے پیدا کرنے اور مہیّا کرنے کی صلاحیت وسکت نہیں تھی۔ مسیح نے انسانی گوشت پوست اختیار کیا اور انسان و آدم ثانی بن کر آدم اول کے گناہ ونتائج وعواقب گناہ سے بچانے کے لیے خود فدیہ وکفّارہ بن گئے۔

مسیح نے جو قیمت و جرمانہ انسان پر لگ رہا تھا ادا کیا، اور اپنے جسم اطہر پر ساری سزا برداشت کی جس کا انسان مستحق بنا دیا گیا تھا۔ مسیح کی یہ قربانی دراصل ایک حقیقت بن گئی اس مجاز کی جو پشت در پشت اقوام عالم میں قربانی کی شکل میں چلی آرہی تھی۔

اب مسیح کے اس فداکارانہ کام کا جو اقرار کرتا ہے وہ ایسا مومن بن جاتا ہے جسے گناہ سے نفرت ہو جاتی ہے۔ مسیح کے حواری حضرت یوحنّا نے کہا کہ:

> "اگر ہم نور میں چلیں جس طرح خدا نور میں ہے تو ہماری باہمی شراکت ہے اور اس کے بیٹے یسوع کا خون ہمیں تمام گناہ سے پاک کرتا ہے۔"
>
> (انجیل: پہلا یوحنا کا خط ۱: ۷)

تمّت

٭

کتاب

اسلام اور مسیحیت میں گناہ اور کفارہ

کے معمّے (سوالات) حل کیجیے۔

عزیز قاری! اِس کتاب کے مختلف ابواب کے گہرے اور سنجیدہ مطالعہ کے بعد، نیچے دیئے گئے سوالات کے جوابات الگ کاغذ پر لکھ کر اِدارہ کو ارسال کیجیے تا کہ اِس کتاب کی بابت آپ کی معلومات کا بہتر اندازہ لگایا جانا ممکن ہو سکے اور اِدارہ ہذا، انعام کے طور پر آپ کو، ایک نئی اور نادر کتاب روانہ کر سکے اِس کتاب سے متعلق اپنی ذاتی رائے اور اظہارِ خیال، کتاب ہذا کے سوالات کے جوابات کے ہمراہ لکھنا بھول نہ جایئے گا۔ شکریہ

01 - قرآن میں کن کن مختلف الفاظ سے گناہ یا خطا کی تعبیر ہوتی ہے؟

02 - کیا قرآن ،آدم اور حوا کو گنہگار قرار دیتا ہے؟

03 - ہمارے پہلے باپ اور ماں (آدم اور حوّا) کے گناہ کی بابت قرآن میں درج تین مختلف آیات لکھیے۔

04 - قرآن کے مطابق آدم اور حوّا کی اپنے خدا کے خلاف، حکم عدولی اور خدا کی راہوں سے بے راہ روی کی وضاحت کیجیے۔ (سورۃ طٰہٰ 120)

05 - گناہ کی تعریف، مسیحی نظریہ کے مطابق کیا ہے؟

06 - گناہ کا وجود کس طرح دُنیا میں ظہور پذیر ہوا؟

07 - گناہ موروثی، وراثتی، فطری اور جبلی ہے، اِس حقیقت کو ثابت کیجیے۔

08 - انسان پر گناہ کی تاثیر کیا ہے اور یہ کیسے ہوتی ہے؟

09 - گناہ کی مزدوری اور سزا کیا ہے؟ وضاحت کیجیے۔

10 - گناہوں کی مغفرت اور کفارہ سے متعلق چار مختلف قرآنی آیات لکھیے۔

11 - گناہ کے کفارہ کا سلسلہ و اِسکا مفہوم، اسلام میں کسطرح آموجود ہوا؟

12 - اسلام میں گناہوں کی معافی اور گناہوں کے کفارہ کے فرق کو بیان کیجیے۔

13 - کِن کِن مختلف طریقوں و ذریعوں سے گناہوں کی معافی حاصل ہوسکتی ہے؟

14 - مسیحیت میں گناہوں سے کفارہ کا مطلب بیان کیجیے۔

15 - انجیل مقدس میں گناہوں کے کفارہ کا کیا طریقہ کار ہے،
اور اِس پر عمل کیسے کیا جاسکتا ہے؟

16 - گناہوں کی معافی کے لئے کیا کسی کفارہ کی ضرورت ہے بھی؟ آخر کیوں؟
کفارہ کی ضرورت کی بابت ثبوت بیان کیجیے۔

17 - انسان کو گناہوں سے نجات کیوں ضروری ہے؟

18 - شرعی اور اخلاقی لحاظ سے ثابت کیجیے کہ انسان کو نجات کی ضرورت ہے؟

19 - اِس کتاب کے مضمون (گناہ اور کفارہ) کے مطابق، بائبل مقدس
سے تین مختلف آیات لکھیے۔

20 - آپ (قاری)، اپنے گناہوں کے کفارہ کی بابت کیا سوچتے ہیں؟

21 - کیوں آپ کو، اپنے گناہوں کے فدیہ کے لئے، صرف مسیح ہی کی جانب

رجوع کرنا مناسب اور ضرور ہے؟

22 - حزقی ایل نبی کے صحیفہ کے باب نمبر 18 کی 20 آیت میں
خدائے پاک کے ایک اٹل اور ابدی حکم
"جو جان گناہ کرے گی ضرور مرے گی"
کو سات (7) بار تحریر کیجیے اور یہ الٰہی حکم یاد کیجیے۔

اِن سوالات کے جوابات اور اس کتاب کی بابت اپنی ذاتی رائے، خط کی صورت میں نیچے لکھے پتہ پر روانہ کیجیے۔ اپنا مکمل نام، ولدیت یا زوجیت، واضح اور درست اور صاف لکھا ہوا، موجودہ پتہ اور اپنے رہائشی علاقہ کے پوسٹ آفس (ڈاک خانہ) کا درست پوسٹل ائیریا کوڈ نمبر، (معلوم نہ ہونے کی صورت میں اپنے نزدیکی ڈاک خانہ سے دریافت کر کے)، اپنے ڈاک پتہ کے ساتھ لکھنا بھول نہ جایئے گا۔ بہت شکریہ

The Good Way, Post Box-66, CH-8486-Rikon, Switzerland

ایک تائب گناہ گار کے
باعث آسمان پر زیادہ
خوشی ہوگی

انجیل : لوقا ۱۵ : ۷

258 06 04
D 07 380